محمود، فاروق، فرزانہ
اور انسپکٹر جمشید
سیریز
Atlantis
Publications
پراسرار خوف
PP
PAKISTANIPOINT.COM
پاکستانی پوائنٹ
Aik Rabta Apnon Sey
اشتیاق احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ اور
انسپکٹر جمشید کے کارنامے

پراسرار خوف

اشتیاق احمد

"آ جاؤ... نہیں"

فون کی گھنٹی بجی۔

"تینوں نے چونک کر سیٹ کو دیکھا، جیسے کہیں وہ کاٹ نہ کھائے۔ پھر فاروق نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا:

"خبردار! یہ فون نہ سننا محمود۔"

"گویا میں فون سنوں۔" فرزانہ بول پڑی۔

"ہرگز نہیں، مجھے اس فون سے خطرے کی بو آ رہی ہے۔"

"اور سنو! فون سے خطرے کی بو آ رہی ہے۔" فرزانہ نے برا سا منہ بنایا۔

"آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔" محمود مسکرایا۔

ادھر گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ آخر بیگم جمشید کی جھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"تم تینوں بہرے ہو گئے ہو کیا۔"

"جی نہیں، فاروق کے ناک نے پہلے سے زیادہ کام کرنا شروع کر دیا ہے، فون کی گھنٹی سے انہیں خطرے کی بو آ رہی ہے۔"

"آنے دو، فون تو سننا ہوگا۔" وہ بولیں۔

"شکریہ! آپ نے اچھا کیا، بتا دیا۔" محمود نے کہا اور ریسیور اٹھا لیا۔ ادھر بیگم جمشید حیران ہو کر بولیں۔

"کیا مطلب! اگر میں یہ نہ کہتی تو تم فون نہ سنتے؟"

"جی ہاں بالکل نہ سنتا۔" محمود نے فوراً کہا۔

"کیا کہا... بالکل نہ سنتا، کیا نہ سنتا۔" فون میں حیران ہو کر کہا گیا۔

"معاف کیجیے گا، میں نے آپ سے نہیں کہا۔"

"تب پھر ریسیور پر ہاتھ رکھنا چاہیے تھا۔" دوسری طرف سے ناخوش گوار لہجے میں کہا گیا۔

"جی وہ منہ سے نکلنے والی بات ہاتھ کی حرکت سے زیادہ تیز رفتار نکلی۔"

"اچھا خیر... انسپکٹر جمشید سے بات کرائیں، رانا صاحب بات کریں گے۔"

"جی رانا صاحب... کون سے رانا صاحب؟" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"رانا گوہر۔"

"ارے! آپ رانا گوہر صاحب کی بات کر رہے ہیں... میں محمود بات کر رہا ہوں، ابا جان کسی سرکاری کام سے دوسرے شہر گئے ہوئے ہیں۔"

"ایک منٹ... میں ان سے پوچھتا ہوں۔"

پھر جلد ہی رانا گوہر کی آواز سنائی دی۔

"محمود! یہ تم ہو... میں... میں بہت پریشان ہوں، بہت خوف زدہ ہوں، کوئی میری جان لینے پر تل گیا ہے، اوپر سے تم یہ خوفناک خبر سنا رہے ہو کہ تمہارے ابا جان دوسرے شہر گئے ہوئے ہیں۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں انکل... کوئی آپ کی جان لینے پر تل گیا ہے۔"
محمود نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں! بالکل!"

"تب پھر... ہم آجاتے ہیں۔"

"نیکی اور پوچھ پوچھ... لیکن پوری احتیاط سے آنا... کسی کو کچھ بتائے بغیر۔"

"آپ فکر نہ کریں... ہم ابھی پہنچ رہے ہیں۔"

رانا گوہر نے دوسری طرف سے فون رکھ دیا۔ وہ ان کے والد کے دور کے دوست تھے... کبھی کبھار ہی ملنے کا اتفاق ہوتا تھا... تاہم اچھے آدمی تھے، با اصول تھے، اس لیے انسپکٹر جمشید اور باقی لوگ انہیں پسند کرتے تھے۔

"آؤ بھئی... جلدی کرو... رانا گوہر انکل خطرے میں ہیں..."

وہ سن ہی چکے تھے، لہٰذا اچھل کر کھڑے ہوگئے۔ ادھر وہ باہر نکلے ادھر بیگم جمشید نے دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

محمود تیز رفتاری سے کار چلاتا رانا گوہر کی کوٹھی کے سامنے جارکا۔ وہ اون کے بہت بڑے تاجر تھے۔ کار سے اتر کر انہوں نے گھنٹی بجائی۔ جلد ہی ان کے ملازم کی صورت نظر آئی، وہ انہیں دیکھ کر چونکا۔

"اوہ! یہ آپ ہیں... خیر تو ہے... اس طرح بغیر اطلاع؟"

"جی نہیں... بغیر اطلاع نہیں، رانا صاحب نے ہمیں فون کیا تھا۔"

"اوہو اچھا۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"کیوں! اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"اگر انہوں نے آپ کو فون کیا تھا تو مجھے کیوں نہ بتایا کہ ہم آرہے ہیں،

کیوں کہ یہ ان کی عادت ہے۔"

"بھول گئے ہوں گے، اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔" محمود بولا۔

"جی ہاں واقعی... بھول گئے ہوں گے۔" آئیے آپ۔"

وہ انہیں ساتھ لیے اندرونی حصے میں داخل ہوا، پھر ایک کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

"کیا بات ہے غوری۔"

"یہ لوگ آگئے ہیں سرکار۔"

"کون لوگ آگئے ہیں... دماغ تو نہیں چل گیا۔"

"دیکھا آپ نے۔" غوری ناخوش گوار انداز میں ان کی طرف مڑا۔

"کیا دیکھا میں نے۔ تم نے آج نشہ تو نہیں کرلیا۔" اندر سے آواز آئی۔

"نشہ حرام ہے جناب! آپ جانتے ہی ہیں... میں حرام اور حلال کا کتنا خیال رکھتا ہوں۔"

"اس میں شک نہیں۔" اندر سے آواز آئی، پھر چونک کر کہا گیا۔

"لیکن آکون گیا ہے؟" اندر سے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

تینوں نے حیرت زدہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"جو لوگ آئے ہیں، ان کا کہنا ہے، آپ نے انہیں بلایا ہے۔"

"کیا مطلب... کون ہیں یہ لوگ۔"

"محمود، فاروق اور فرزانہ... انسپکٹر جمشید کے بچے۔"

"نن... نہیں... نہیں۔" اندر سے چیخ کر کہا گیا۔ آواز میں خوف بھی شامل تھا۔

انہوں نے پھر حیران ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''کیا ہوا سر... خیر تو ہے۔''

''میں نے ان لوگوں کو نہیں بلایا... ہرگز نہیں بلایا... یہ غلط ہے، جھوٹ ہے، ان سے کہہ دو... فوراً... یہاں... فوراً چلے جائیں...'' اندر سے حلق پھاڑ کر کہا گیا۔

ان پر سکتے کی حالت طاری ہوگئی، پھر وہ تیزی سے مڑے اور باہر نکل آئے۔ دوسرے لمحے وہ اپنی کار میں بیٹھ چکے تھے۔

''حیرت ہے، افسوس، کمال ہے۔'' محمود کے منہ سے نکلا۔

''میری طرف سے بھی۔'' فاروق بولا۔

''کیا میری طرف سے بھی۔'' فرزانہ نے اسے گھورا۔

''یہ تینوں الفاظ۔'' فاروق نے فوراً کہا۔

''لیکن یہ بات کیا ہوئی... فرض کیا انہوں نے ہمیں نہیں بلایا تھا... اور ہم کسی غلط فہمی کی بنیاد پر آ گئے تھے، تب بھی آخر ہم ان کے دوست کے بچے ہیں، وہ ہم سے مل لیتے تو کیا ہو جاتا۔''

''سوچنے کی بات یہ ہے کہ انہوں نے بلایا تھا یا نہیں۔'' فاروق نے کہا۔

''فون پر آواز تو انھی کی تھی۔''

''آواز بدل کر بھی بات کی جا سکتی ہے۔''

''لیکن ہماری... سی آئی ایل پر فون کے نمبر موجود ہوں گے...''

''ٹھیک ہے، ہم گھر چلتے ہیں... ابھی دیکھتے ہیں... فون کس نمبر سے کیا گیا تھا۔''

وہ گھر پہنچے۔ فون نمبرز دیکھے، نوٹ بک میں سے رانا گوہر کے

فون نمبرز دیکھے، معلوم ہوا، ان نمبروں سے فون نہیں کیا گیا تھا۔ اب انہوں نے وہ نمبر ڈائل کیے۔ جس سے انہیں فون کیا گیا تھا، لیکن وہ نمبر ڈائل نہ ہوئے۔

''اس کا مطلب ہے... فون واقعی رانا گوہر نے نہیں کیا تھا... کسی نا معلوم آدمی نے پبلک فون بوتھ سے کیا تھا، لیکن کیوں، اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی...''

''یہ تو معاملہ پھر پراسرار ہو گیا۔''

''اور سب سے زیادہ پراسرار رویہ رانا گوہر صاحب کا ہے، انہوں نے ہم سے ملاقات تک نہیں کی اور ان کی آواز سے بلا کا خوف ٹپک رہا تھا...''

''ایک منٹ محمود...'' فرزانہ نے بے تابانہ انداز میں کہا اور رانا گوہر کے نمبر ڈائل کیے۔ فوراً ہی ان کے ملازم کی آواز سنائی دی۔

''رانا گوہر صاحب سے کہیں، انسپکٹر جمشید کے گھر سے کال ہے۔'' اس نے آواز میں بھاری پن پیدا کر کے کہا۔

''جی اچھا۔'' غوری کی آواز سنائی دی... پھر صرف تین منٹ بعد اس کی ڈوبی ڈوبی آواز سنائی دی۔

''صاحب نے بہت سخت لہجے میں کہا ہے، انہوں نے آپ کو کوئی فون نہیں کیا اور نہ آپ سے کوئی بات کرنا چاہتے ہیں اور انہوں نے درخواست کی ہے، آپ لوگ ہرگز ہرگز ان سے رابطہ یا ملاقات کرنے کی کوشش نہ کریں۔''

''اوہ... اوہ۔'' ان کے منہ سے مارے حیرت کے ایک ساتھ نکلا۔

عین اس لمحے ان کے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ وہ بری طرح چونکے، پھر محمود نے ریسیور اٹھا لیا اور تھکی تھکی آواز میں بولا۔

''جی فرمایئے... محمود بات کر رہا ہوں۔''

"انسپکٹر جمشید سے بات کرائیں، فیروز تنویر بات کر رہا ہوں۔"

"اوہ... انکل آپ... مم... مجھے افسوس ہے، ابا جان دوسرے شہر گئے ہوئے ہیں۔"

"خیر! پھر تم لوگ آ جاؤ... میں سخت خوف زدہ ہوں... کوئی شخص میری جان لینا چاہتا ہے، جس قدر جلدی ہو سکے... آ جاؤ۔"

پھر وہ بلا کی رفتار سے روانہ ہو گئے۔ اس وقت سورج غروب ہونے کے قریب تھا اور انہیں مغرب کی نماز بھی ادا کرنا تھی، فیروز تنویر ان سے زیادہ دور نہیں رہتے تھے... یہ دراصل خان رحمان کے دوست تھے اور اسی نسبت سے ان سے بھی علیک سلیک تھی۔

فیروز تنویر کی کوٹھی کے دروازے پر کھڑے چوکیدار کی نظریں جونہی ان پر پڑی، وہ بری طرح اچھلا ساتھ ہی بولا۔

"صاحب گھر پر نہیں ہیں۔"

---☆☆☆---

ایک ہی چکر

"کیا بات ہے، خیر تو ہے..." محمود نے اسے گھورا۔

"پتا نہیں۔" اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"کیا آپ ہمیں پہچانتے ہیں۔" فاروق نے پوچھا:

"کیوں نہیں، آپ محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں۔"

"تب پھر ہمیں دیکھتے ہی چلائے کیوں، اگر فیروز تنویر صاحب گھر پر نہیں ہیں تو کیا ہوا، یہ بات آرام سے بھی بتا سکتے تھے، بلکہ وہ نہیں ہیں تو ہم ان کے بچوں سے مل سکتے تھے۔"

"نن نہیں۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"کیا نن نہیں... آج ہو کیا رہا ہے۔" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"پپ... پتا نہیں۔"

"بھائی آپ کو کسی بات کا پتا ہے بھی یا نہیں۔"

"پتا نہیں۔" اس نے کہا۔

"خوب خوب! اچھا جواب ہے، لیکن یہ ہو کیسے سکتا ہے۔" محمود نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔

''کک... کیا کیسے وہ سکتا ہے۔''

''انہوں نے تو خود ہمیں فون کیا تھا، یہ کہ میں خطرے میں ہوں، فوراً آ جائیں... اور آپ کہہ رہے ہیں، وہ گھر نہیں ہیں۔''

''جی ہاں! یہی بات ہے، انہوں نے یہی کہنے ...'' وہ اچانک رک گیا۔ آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

''کیا مطلب ... انہوں نے یہی کہنے کی ہدایت دی تھی ...'' فاروق جلدی سے بولا۔

''نن نہیں۔'' وہ کانپ گیا۔

''اس کا مطلب ہے... فیروز تنویر گھر ہی ہیں۔''

''ہاں... نہیں۔''

''آپ نے بالکل درست جواب دیا۔'' فاروق خوش ہو گیا۔

''دماغ تو نہیں چل گیا۔'' محمود نے اسے گھورا۔

''کس کا... میرا یا ان کا۔'' فاروق نے پوچھا:

''میں تم سے کہہ رہا ہوں۔'' محمود جھلا اٹھا۔

''ٹھیک ہے، اپنے بارے میں کہہ سکتا ہوں، میرا تو ماغ نہیں چلا۔''

''حد ہو گئی۔'' فرزانہ تلملا کر بولی۔

''آپ سچ بتائیں، فیروز تنویر صاحب اندر ہیں؟'' محمود نے جلدی سے کہا۔

''انہوں نے کہا تھا، کوئی بھی ملنے کے لیے آئے، کہہ دینا، صاحب گھر پر نہیں ہیں۔''

''لیکن ہمیں انہوں نے خود فون کر کے بلایا ہے، لہٰذا آپ بے فکر ہو کر

انہیں ہماری آمد کی اطلاع دیں۔''

''اگر وہ مجھ پر بگڑے اور انہوں نے مجھے ملازمت سے نکال دیا؟''

''تو ہم اس سے زیادہ تنخواہ والی ملازمت دلانے کی ذمے داری لیتے ہیں۔''

اب اس نے ایک بٹن دبایا۔ بائیں طرف ایک کیبن بنا ہوا تھا، اس کا دروازہ فوراً کھلا۔

''صاحب کو اطلاع دو، جن لوگوں کو آپ نے بلایا ہے... وہ آ گئے ہیں۔''

''کیا تم بھول گئے وزیر خان... صاحب کی ہدایت۔''

''ان لوگوں کا کہنا ہے، انہیں صاحب نے فون کر کے بلایا ہے اور میں ان لوگوں کو جانتا ہوں۔''

''اچھی بات ہے، ذمے دار تم خود ہو گے۔''

''ہاں! ٹھیک ہے۔''

اور پھر کیبن والا اندر کی طرف مڑ گیا، جلد ہی اس نے بوکھلا کر کہا۔

''گڑبڑ ہو گئی، یہ لوگ جھوٹے ہیں۔''

''غلط... ہم لوگ سچے ہیں۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''لیکن صاحب نے بہت غصے میں کہا ہے، انہوں نے کسی کو فون کر کے نہیں بلایا۔''

حد ہو گئی... آپ نے ہمارے نام انہیں کب بتائے۔''

''نام تو مجھے خود معلوم نہیں، بتاتا کیا خاک۔''

''پھر فون کریں، ہمارے نام محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں اور ہم انسپکٹر

جمشید کے بچے ہیں۔"

"مجھ میں تو اب ہمت نہیں ہے۔"

"ان کا نمبر بتائیں، ہم اپنے موبائل سے بات کر لیتے ہیں۔" محمود نے منہ بنایا۔

"یہ ٹھیک رہے گا، اس طرح نزلہ ہم پر نہیں گرے گا۔" وزیر خان نے فوراً کہا۔

پھر اس نے نمبر بتا دیے، محمود نے فوراً نمبر ڈائل کیے، دوسری طرف سے سرد آواز میں کہا گیا۔

"جی فرمایئے! فیروز تنویر بات کر رہا ہوں۔"

"میں محمود ہوں! انکل خان رحمان کے ساتھ کئی بار آپ کے ہاں آنا ہوا ہے۔"

"اوہ ہاں کیوں... میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"ہم آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے، میں آپ سے ملاقات نہیں کر سکتا۔"

"کیا بات کرتے ہیں... کچھ دیر پہلے خود آپ نے ہمیں فون کیا تھا اور بتایا تھا، آپ بہت خوف زدہ ہیں اور یہ کہ آپ کو ہماری مدد کی ضرورت ہے۔"

"مم... میں نے کیا تھا... جی نہیں... میں نے آپ کو فون کیا ہی نہیں۔"

"عجیب بات ہے... خیر... اب ہمیں تو یہ بات معلوم نہیں تھی، بہر حال ہم آپ کے گھر کے دروازے پر موجود ہیں... کیا آپ ہمارے لیے تھوڑا سا وقت نکال سکتے ہیں۔"

"جی نہیں... مجھے افسوس ہے۔"

اور ساتھ ہی دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، محمود نے کندھے اچکائے اور بولا۔

"آؤ چلیں۔"

وہ چپ چپ سے گھر آ گئے، مارے حیرت کے ان کا برا حال تھا، غصہ بھی آ رہا تھا۔ ابھی انہیں گھر آئے چند منٹ ہوئے تھے کہ فون کی گھنٹی پھر بج اٹھی۔

وہ چونک اٹھے، ادھر ادھر دیکھا، پھر محمود نے فون کا ریسیور کان سے لگا لیا۔

"محمود بات کر رہا ہوں۔"

"اور میں ہوں الیاس قاسمی، انسپکٹر جمشید سے بات کرائیں۔"

"جی... کیا کہا آپ نے... الیاس قاسمی بات کر رہے ہیں۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! کیوں! کیا ہوا، کیا میں فون پر بات نہیں کر سکتا؟"

"یہ بات نہیں... ابا جان گھر نہیں ہیں، دوسرے شہر گئے ہوئے ہیں۔"

"اوہ! یہ تو برا ہوا... مجھے تو ان سے بہت ضروری کام ہے، میں اس وقت خوف زدہ ہوں! مجھے اپنی جان کا خوف ہے، آپ ذرا زحمت کریں اور میرے گھر آ جائیں۔"

"جی... لیکن بات کیا ہے۔"

"بات تو میں یہیں بتا سکتا ہوں... آپ بس آ جائیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

اور پھر اس نے فون بند کر دیا۔

"اس بار ہم اس طرح نہیں جائیں گے، یہ ایک ہی چکر معلوم ہوتا ہے۔"

"تب پھر کیسے جائیں گے۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"الیاس قاسمی پروفیسر انکل کے دوست ہیں، اس بار ہم ان کے ذریعے قدم بڑھائیں گے۔"

یہ کہہ کر محمود نے پروفیسر داؤد کے نمبر ڈائل کیے، فوراً ہی ان کی آواز سنائی دی۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم... یہ صبح صبح میرا خیال کیسے آ گیا۔"

"رات ہو چلی ہے انکل۔"

"اوہ... دراصل میں تجربہ گاہ میں بند ہوں اور ایک تجربے میں اس حد تک مگن ہوں کہ اپنا ہوش نہیں... شاید میں نے چوبیس گھنٹے سے کھانا بھی نہیں کھایا اور میرے ساتھ میرا عملہ بھی بھوکا ہی ہوگا... تمہارا شکریہ محمود، تم فون نہ کرتے تو ابھی نہ جانے کتنا وقت اور گزر جاتا۔"

"اوہ! تب تو اس کا مطلب ہے... ہم آپ کی مدد نہیں لے سکتے۔"

"کیا مطلب! یہ تم نے کیا کہا، میں اور تمہاری مدد نہیں لے سکتا... میرا تو خیال ہے، میں مدد لے سکتا ہوں۔"

"جی نہیں... مدد ہمیں چاہیے آپ کی... لیکن آپ چونکہ مصروف ہیں، اس لیے۔"

"تم بات بتاؤ... جمشید کے لیے میں اپنا ہر کام چھوڑ سکتا ہوں۔"

"فون میں نے کیا ہے، انہوں نے نہیں۔"

"تم ان سے الگ تو نہیں... بات بتاؤ۔"

"آپ کے دوست الیاس قاسمی صاحب کے ہاں چلنا ہے ذرا۔"

"اور یہ تمہیں الیاس قاسمی کا خیال کیسے آ گیا؟"

"یہ ایک عجیب کہانی ہے... آپ اگر آسانی سے آسکتے ہیں تو آ جائیں... اور ہمارے ساتھ وہاں چلیں۔"

"ٹھیک ہے، میں آ رہا ہوں، کیا میں انہیں فون کر دوں۔"

"جی نہیں، ایسا نہ کریں۔"

"اچھی بات ہے، نہیں کروں گا ایسا... ویسے جمشید کہاں ہے۔"

"سرکاری کام سے دوسرے شہر۔"

"اوہ اچھا! میں آ رہا ہوں۔"

بیس منٹ بعد وہ ان کے پاس پہنچ گئے۔ اب محمود نے مختصر طور پر ساری کہانی سنائی، پھر بولا۔

"ہم چاہتے ہیں، وہاں پہنچ کر آپ ملازم کے ذریعے اندر پیغام بھجوائیں... ہم آپ کے پیچھے رہیں گے، اندر آپ یہ پیغام نہ بھیجیں کہ ہم آپ کے ساتھ آئے ہیں۔"

"اچھی بات ہے... میں سمجھ گیا۔"

"بلکہ گاڑی سے اتر کر آپ ہی دروازے تک جائیں گے، ہم گاڑی میں رہیں گے، اندر کی لائٹ بھی آف رکھیں گے، اس طرح ملازم ہمیں نہیں دیکھ سکیں گے، پھر جب وہ اندر سے اجازت لے آئیں گے، تب ہم آپ کے پاس آ کھڑے ہوں گے۔"

"خوب خوب! پروفیسر داؤد نے خوش ہو کر کہا۔

پھر وہ الیاس قاسمی کی طرف روانہ ہو گئے۔ کوٹھی کے سامنے پہنچ

کرانہوں نے ترکیب پر عمل کیا۔ ملازم پیغام لے کر اندر چلا گیا۔ جلد ہی اس کی واپسی ہوئی، اس وقت محمود، فاروق اور فرزانہ بھی ان کے سامنے آ کھڑے ہوئے تھے۔ ملازم نے نزدیک آتے ہی کہا۔

"صاحب نے کہا ہے، آج وہ کسی سے نہیں مل سکتے۔"

"کیا کہا۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

پروفیسر داؤد کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا... ساتھ ہی محمود نے کہا۔

"آپ محسوس نہ کریں... میرا خیال ہے، یہ تینوں حضرات مجبور ہیں... ورنہ آپ کے تو قاسمی صاحب اچھے بھلے دوست ہیں، ملاقات سے انکار نہیں کر سکتے تھے۔"

"یہ میرے لیے عجیب ترین بات ہے اور میں سمجھ نہیں پا رہا، ایسا کیوں ہے۔" وہ بولے۔

"آیئے چلیں۔" محمود نے کہا۔

"کیا کہا، چلیں۔" وہ چونکے۔

"ہاں اور کیا، اب یہاں ٹھہر کر کیا کریں گے۔"

"تو کیا تم یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرو گے، یہ کیا چکر ہے۔"

"ضرور کریں گے، لیکن اس وقت یہاں سے واپس جانا ہی مناسب ہے... گھر چل کر فیصلہ کریں گے کہ کیا کرنا چاہیے۔"

"اچھی بات ہے... چلو پھر۔"

راستے میں انہوں نے باقی دو ملاقاتوں کا حال بھی کہہ سنایا۔ ان کی حیرت اور بڑھ گئی۔ محمود کے خاموش ہوتے ہی وہ بولے۔

"پھر تو ہمیں اس معاملے میں خان رحمان کو بھی شامل کر لینا چاہیے، اس لیے کہ الیاس قاسمی اگر میرا دوست ہے تو فیروز تنویر خان رحمان کا..."

"اور رانا گوہر ابا جان کے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"ہاں واقعی! اور کیا یہ عجیب بات نہیں۔" پروفیسر بولے۔

"کیوں نہیں۔" تینوں نے ایک ساتھ کہا۔

پھر پروفیسر داؤد خان رحمان کو فون کرنے لگے۔ اور جس وقت وہ گھر کے دروازے پر پہنچے، اسی وقت خان رحمان وہاں پہنچ گئے... لیکن وہاں ان سب کے لیے ایک نئی حیرت موجود تھی، گھر کا دروازہ کھلا پڑا تھا اور بیگم جمشید سے یہ امید کی ہی نہیں جا سکتی تھی کہ انہوں نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا ہوگا۔

---☆☆☆---

کیس سنگین ہے

انہوں نے گھبراہٹ کے عالم میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر وہ اندر کی طرف دوڑ پڑے، انہیں اپنی سٹی گم ہوتی محسوس ہوئی... بیگم جمشید گھر میں نہیں تھیں... صحن میں گھر کی کچھ چیزیں الٹ پلٹ پڑیں تھیں۔ اس سے ظاہر تھا، کوئی گڑ بڑ ہوئی ہے، پہلے تو انہوں نے بیگم شیرازی کے دروازے پر دستک دی، وہ فوراً دروازے پر آ گئیں۔

''امی جان یہاں تو نہیں ہیں۔''

''کیا مطلب... کیا وہ غائب ہیں۔'' بیگم شیرازی بوکھلا اٹھیں۔

''اس کا مطلب ہے، آپ کو کچھ معلوم نہیں اور آپ نے گڑ بڑ کی کوئی آواز نہیں سنی۔''

''یہی بات ہے...''

''اچھا خیر... آپ آرام کریں۔''

''یہ کیسے ممکن ہے۔''

''جی کیا مطلب، کیا کیسے ممکن ہے۔''

''آپ لوگ پریشان ہوں اور میں آرام کروں... میں آپ کے ہاں چلتی

ہوں، کم از کم چائے وغیرہ تو بنا کر دوں گی۔''

''اوہ اچھا... شکریہ!''

پھر وہ گھر میں داخل ہوئے۔ بیگم شیرازی تو باورچی خانے میں چلی گئیں اور وہ گھر کا بغور جائزہ لینے لگے۔ آخر فرزانہ نے کہا۔

''امی جان کو اغوا کیا گیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔''

''اور کیا ہماری امی جان کے اغوا کا تعلق ان تینوں ملاقاتوں سے ہے جو ہم کرنا چاہتے تھے اور کر نہ سکے۔'' محمود بولا۔

''یہ تو خیر ابھی نہیں کہا جا سکتا ہے... ہاں امکان یہی نظر آتا ہے۔''

''میرا خیال ہے، کیس کافی سنگین ہے، ابا جان کو اطلاع دے دینا چاہیے۔'' فاروق نے کہا، سب نے سر ہلا دیے۔

محمود نے ان کے موبائل کے نمبر ڈائل کیے... دوسری طرف سے فوراً ان کی آواز سنائی دی۔

''ہاں! محمود... کیا بات ہے۔''

''امی جان کو اغوا کر لیا گیا ہے۔''

''اچھا! ان کے لہجے میں حیرت در آئی۔ تاہم اس حیرت میں گھبراہٹ شامل نہیں تھی... سکون اور اطمینان تھا۔

''جی ہاں! مہربانی فرما کر آپ آ جائیں۔''

''مجھے افسوس ہے... میں فوری طور پر نہیں آ سکتا... شاید ایک دو دن لگ جائیں... تم بات بتاؤ اندازہ کیا لگایا ہے۔''

''جی میں تفصیل سنا دیتا ہوں۔''

یہ کہہ کر محمود نے اس وقت تک جو کچھ ہوا تھا، تفصیل سے سنا

دیا۔ اس کے خاموش ہونے پر وہ چند منٹ خاموش رہے، پھر بولے۔

"ان تینوں افراد سے زبردستی ملاقات کرو، پولیس ساتھ لے جاؤ، وہ کیوں ملاقات نہیں کر رہے، اس بات کو تو دیکھنا ہوگا۔"

"جی اچھا! ہم نے یہ قدم اس لیے نہیں اٹھایا تھا کہ آخر وہ آپ کے اور انکلز کے دوست ہیں۔"

"لیکن اب یہ ضروری ہو گیا ہے، دوستی اپنی جگہ، قانونی کارروائی اپنی جگہ۔"

"شکریہ ابا جان۔"

اور پھر محمود نے اکرام کو فون کیا۔ اسے بھی ساری صورت حال بتائی۔ اس نے فوراً کہا۔

"اچھا میں آ رہا ہوں۔"

"لیکن اپنی پوری ٹیم کے ساتھ آیئے گا۔"

"ہاں ہاں! تم فکر نہ کرو۔"

جلد ہی وہ ماتحتوں کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔

"کیا خیال ہے، سب سے پہلے رانا گوہر کی طرف چلیں۔"

"ٹھیک ہے۔" اکرام بولا۔

ان کا یہ قافلہ رانا گوہر کے گھر کے سامنے پہنچ گیا۔ دروازے پر مسلح پہرے دار موجود تھا... یہ دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی... کچھ دیر پہلے جب وہ یہاں آئے تھے تو مسلح پہرے دار نظر نہیں آیا تھا، البتہ ان کا ملازم غوری باہر آیا تھا۔ ادھر مسلح پہرے دار پولیس کی گاڑیاں دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ اکرام تیز قدم اٹھاتا اس کے قریب پہنچا۔

"ہمیں رانا گوہر صاحب سے ملنا ہے، انہیں پیغام دیا جائے اور ان سے کہہ دیا جائے، ملاقات ہر حال میں کرنا ہوگی۔"

"صاحب نے ہدایت کر رکھی ہے، وہ آج کسی سے ملاقات نہیں کریں گے۔"

"ہم زبردستی ملاقات کریں گے۔" خان رحمان نے منہ بنایا۔

"اچھی بات ہے، میں انہیں پیغام دیتا ہوں۔"

اور پھر انہوں نے ایک وکیل اور ایک ڈاکٹر کو باہر آتے دیکھا... ان کی پیشانیوں پر بل پڑ گئے۔ پہلے وکیل ان کی طرف بڑھا، اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"میں رانا گوہر صاحب کا وکیل ہوں، یہ رہے ان کی قبل از گرفتاری کی ضمانت کے کاغذات۔"

"لیکن ہم انہیں گرفتار کرنے کب آئے ہیں۔"

"اگر وہ ملاقات سے انکار کرتے تو آپ زبردستی ان سے ملاقات کرتے یا انہیں گرفتار کر کے پولیس اسٹیشن لے جاتے، اس خوف کے پیش نظر یہ ضمانت کرائی گئی ہے۔"

"اور جناب! میں رانا گوہر صاحب کا ڈاکٹر ہوں، اس وقت ان کی جسمانی حالت اس قابل نہیں ہے کہ کسی سے ملاقات کر سکیں۔ وہ ذہنی دباؤ کا شکار ہیں، اگر آپ نے ان سے زبردستی ملاقات کی کوشش کی تو ان کا ذہنی توازن بگڑ جائے گا، لہٰذا میں آپ کو ویسے بھی ملاقات کی اجازت نہیں دے سکتا... میں ملک کا مشہور ڈاکٹر ہوں۔"

وہ سکتے میں آ گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف

دیکھا... پھر وہ خاموشی سے پیچھے ہٹ آئے۔ خان رحمان والی بڑی گاڑی میں بیٹھ کر انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"لگتا ہے... ہمارے لیے تمام راستے بند ہیں۔" محمود نے کہا۔

"اور باقی دو گھروں میں بھی اسی قسم کے حالات سے واسطہ پڑے گا۔"

"نظر یہی آتا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"لیکن ہمیں ان دونوں گھروں تک جانا تو چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔"

پھر وہ فیروز تنویر کے ہاں گئے، وہاں بھی ایک وکیل اور ایک ڈاکٹر کا سامنا کرنا پڑا... اور الیاس قاسمی کے گھر سے بھی وکیل اور ڈاکٹر ہی باہر نکلے۔

اب تو ان کی حیرت بہت بڑھ گئی... وہ گاڑی میں آ بیٹھے۔

"اس بات پر پورا زور صرف کیا جا رہا ہے کہ ہماری ملاقات ان تینوں حضرات سے نہ ہو... آخر کیوں؟" محمود نے سرسراہٹ زدہ آواز

"اس کیوں کا جواب جاننے کے لیے تو میں حد درجے بے چینی محسوس کر رہا ہوں۔" خان رحمان بولے۔

"اور میں بھی خان رحمان۔" پروفیسر داؤد نے فوراً کہا۔

"خیر! اس معاملے مین پیچھے ہم بھی نہیں... اور اس کا مطلب ہے، ہمیں ان سے ملاقات کرنا ہوگی۔" محمود نے پرجوش انداز میں کہا۔

"لیکن کیسے؟" پروفیسر داؤد بولے۔

"گاڑی آگے لے آئیں... اس لیے کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"ایک تو تم ہر جگہ دیواروں کے کان درمیان میں لے آتے ہو۔" خان

رحمان جھلا اٹھے۔

"کیا کیا جائے انکل! مجبوری ہے۔"

"مجبوری کیسی بھلا۔ مجھے تو اس میں دور دور تک مجبوری نظر نہیں آتی۔" خان رحمان کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"آپ عینک کا نمبر تبدیل کروا لیں۔" فاروق نے مشورہ دیا۔

"لیکن میں نے تو ابھی تک عینک لگوائی ہی نہیں۔" خان رحمان نے گھبرا کر کہا۔

"اوہ! پھر تو مجبوری ہے، کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"یار کیوں دماغ چاٹ رہے ہو۔"

"میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اب ہم نصف رات کے وقت چوری چھپے رانا گوہر کی کوٹھی میں داخل ہوں گے۔"

"ارے باپ رے! اگر پکڑے گئے تو... وہاں پہلے ہی وکیل اور ڈاکٹر موجود ہیں۔"

"وہ ہمارے چلے آنے کے بعد رخصت ہو گئے ہوں گے... وہاں ٹھہر کر بھلا وہ کیا کرتے۔"

"رانا گوہر جیسے لوگ ایسا کر بھی سکتے ہیں۔"

"خیر دیکھا جائے گا... ہمیں ان تینوں حضرات سے ملاقات تو کرنا ہوگی... نہ جانے یہ کیا چکر ہے۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"چکر جو بھی ہو... ہے گہرا۔"

"گگ... گہرا چکر... ارے باپ رے۔" فاروق بوکھلا اٹھا۔

"بس سوجھ گیا اسے تو ناول کا نام... کیوں یہی بات ہے نا۔" فرزانہ شریر

اندازمیں مسکرائی۔

''اب تم سے کون مغز مارے۔'' فاروق تلملا اٹھا۔

''اچھا خیر... یہ طے رہا... رات کو ٹھیک بارہ بجے، ہم رانا گوہر کے گھر میں داخل ہوں گے... چاہے کچھ ہو جائے۔'' پروفیسر داؤد نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

''بالکل ٹھیک۔'' وہ ایک ساتھ بولے۔

اور پھر رات کے بارہ بجے وہ رانا گوہر کی کوٹھی کے پچھلے حصے میں پہنچ چکے تھے۔ ایسے میں محمود نے دبی آواز میں کہا۔

''ہاں فاروق بسم اللہ کرو۔''

''بسم اللہ۔'' فاروق نے کہا۔

''میں نے کہا ہے، بسم اللہ کرو۔''

''کہہ تو دیا بسم اللہ۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''بھئی پائپ پر چڑھنے کی بسم اللہ کرو۔'' محمود نے جل کر کہا۔

''حد ہوگئی، اس کام کے لیے ایک میں ہی رہ گیا ہوں۔''

اس نے جلے کٹے انداز میں پاؤں پٹخے، پھر پائپ پر چڑھتا چلا گیا۔ جلد ہی وہ چھت پر نظر آیا، اس نے ان کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور پھر زینے کی طرف بڑھا، لیکن زینہ تو اندر سے بند تھا۔ اب اس نے جیب سے ریشم کی ڈوری نکالی۔ اس کو لوہے کی گرل سے باندھا اور نیچے صحن میں لٹکا دیا، دوسرے ہی لمحے وہ اس ڈوری پر پھسلتا ہوا صحن میں آ پہنچا۔ اس نے لٹکتی رسی کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ پھر صدر دروازے کی طرف بڑھا، اندر کی طرف آرام کرسی پر ایک رائفل بردار بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ فاروق اسے دیکھ کر ٹھٹکا... اس کی موجودگی میں وہ بیرونی دروازہ نہیں کھول سکتا

تھا۔ گویا اس کے ساتھی اس راستے سے اندر نہیں آ سکتے تھے، لیکن ان کا بھی آخر یہ روز کا کام تھا، اس نے ایک خفیہ جیب سے رومال نکالا اور اپنا سانس روک لیا، دبے پاؤں اس کی کمر کی طرف سے اس کی طرف قدم اٹھانے لگا، جلدی ہی وہ عین اس کے پیچھے پہنچ گیا، اچانک اس نے وہ رومال اس کے ناک سے لگا دیا۔

''ارے... غپ۔'' اس کے منہ سے نکلا۔

ساتھ ہی وہ زمین پر لڑھک گیا تھا۔ وہ مکمل طور پر بے ہوش ہو چکا تھا اور اب دو گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آ سکتا تھا۔ اب اس نے دروازہ کھول دیا اور دبی آواز میں بولا۔

''اندر آ جائیں دوستو۔''

پھر جونہی فاروق کی نظر اندر داخل ہونے والوں پر پڑی، وہ بری طرح اچھلا۔ اس کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔

---☆☆☆---

نئی بات نہیں

انسپکٹر جمشید کے موبائل کی گھنٹی بجی۔ دوسری طرف سے آئی جی شیخ نثار احمد صاحب بات کر رہے تھے۔

"یس سر... خیریت تو ہے۔"

"نہیں ہے۔"

"جی کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"کچھ دیر پہلے محمود وغیرہ کی طرف سے فون تو نہیں ملا تھا۔"

"جی ہاں! ملا تھا۔"

"اور انہوں نے کیا کہا تھا۔"

"یہ کہ وہ ایک سنگین کیس میں الجھ گئے ہیں، لہٰذا آپ آجائیں... بچوں کی والدہ کو بھی اغوا کر لیا گیا ہے، لیکن میں چونکہ آپ کی طرف سے ذمہ لگائے گئے کام میں الجھا ہوا ہوں، اس لیے میں نے ان سے کہہ دیا کہ میں ابھی نہیں آسکتا، البتہ میں نے انہیں یہ بتا دیا تھا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔"

"اب میں تمہیں حکم دیتا ہوں، یہاں آجاؤ۔"

"بات کیا ہے سر۔"

"پوری پارٹی غائب ہے۔"

"کک... کیا فرمایا آپ نے... محمود سے لے کر خان رحمان تک؟"

"ہاں جمشید... وہ لوگ اکرام کو اپنا پروگرام بتا کر گئے تھے... کچھ دیر بعد اکرام نے ان کی خیریت معلوم کرنے کے لیے انہیں فون کیا تو ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا اور اب سچ یہی ہے کہ وہ سب غائب ہیں۔"

"لیکن سر... اس کام کا کیا بنے گا... اس حالت میں میں اس کو درمیان میں چھوڑ کر کیسے آسکتا ہوں۔"

"بھئی میں جو کہہ رہا ہوں۔"

"لیکن سر آپ کو معلوم نہیں، میں اس کام میں کہاں تک پہنچ چکا ہوں۔"

"اور یہاں کام کہاں تک پہنچ چکا ہے۔"

"یہ ان کے لیے نئی بات نہیں سر... مجھے افسوس ہے، فی الحال میں نہیں آسکتا۔"

"میں اس وقت اس مجرم کے بالکل قریب پہنچ چکا ہوں... اور اگر میں آپ کے حکم کے مطابق اسی وقت واپس آگیا تو وہ ہاتھ نہیں آئے گا، کیونکہ اسے بھی یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ میں اب اس کے بہت قریب پہنچ چکا ہوں... اب وہ اس کوشش میں ہے کہ کسی طرح بچ نکلے اور میں اسے دبوچنے کی فکر میں ہوں... یہ آپ خوب جانتے ہیں کہ وہ کس قدر خطرناک ہے اور اس کی وجہ سے اس وقت تک کیا کچھ ہو چکا ہے۔"

"ہاں! یہ بات ہے، لیکن بھئی ادھر..."

"اس قسم کے حالات ہمارے لیے نئے نہیں... اللہ مالک ہے، آپ فکر نہ کریں... تاہم ان کی تلاش میں پولیس پارٹیوں کے ذریعے چھاپے ضرور ڈلواتے

رہیں۔"

"اچھی بات ہے جمشید! یونہی سہی... میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں۔"

"جی ہاں بالکل۔" وہ فوراً بولے۔

"اللہ حافظ۔" یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔

انسپکٹر جمشید نے بھی اللہ حافظ کہہ کر فون بند کر دیا... پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے... ان کے قدم ہوٹل بونڈ کے کاؤنٹر کی طرف تھے۔ اس سے پہلے وہ اس کے ڈائننگ ہال میں ایک میز پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے، اسی حالت میں انہوں نے فون سنا تھا۔ کاؤنٹر پر پہنچ کر انہوں نے اپنی دونوں کہنیاں ٹکائیں اور کاؤنٹر کلرک کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے بولے۔

"مجھے ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ایک شخص کی تلاش ہے... مجھے اس کے گھر کا نمبر معلوم نہیں... لیکن یہ معلوم ہے کہ وہ اسی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے، میں آپ کو اس کا حلیہ بتا سکتا ہوں... مجھے سو فیصد امید ہے کہ آپ حلیہ سنتے ہی سمجھ جائیں گے کہ میں کس گاہک کی بات کر رہا ہوں، پھر جونہی آپ کمرے کا نمبر بتائیں گے، میں آپ کو بطور انعام دس ہزار روپے پیش کروں گا نہیں بتائیں گے تو پھر آپ کی مرضی... پھر میں یہ دس ہزار کسی بیرے کو دے دوں گا، کیونکہ حلیہ سن کر تو بیرے بھی اس کے کمرے کا نمبر بتا دیں گے۔"

"نہیں جناب! مجھے افسوس ہے۔" کلرک بولا۔

"کیا مطلب... کس بات پر افسوس ہے آپ کو۔"

"میں حلیہ سن کر بھی نہیں بتاؤں گا، اگرچہ میں سمجھ جاؤں گا۔"

"لیکن کیوں؟" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ ہمارے ہوٹل کے اصولوں کے بالکل خلاف ہے، ہم اپنے کسی گاہک

کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتاتے، جب تک خود گاہک ہمیں ہدایات نہ دے... آپ کسی بیرے سے بھی یہ کام نہیں لے سکتے، بیرے بھی ہوٹل کے مالک کے پوری طرح وفادار ہیں۔"

"خیر! میں آپ کی بات مان لیتا ہوں... کیا آپ مجھے ہوٹل کے مالک سے ملوا سکتے ہیں۔"

"میں ان سے صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ کاؤنٹر پر فلاں نام کے ایک صاحب موجود ہیں اور وہ آپ سے ملنے کے خواہش مند ہیں، اب یہ ان کی مرضی کی بات ہے، ملتے ہیں یا نہیں۔"

"او کے! آپ ان سے پوچھ لیں۔"

"آپ کا نام۔"

"آصف خان شاہی۔" انہوں نے فرضی نام بتایا۔

"میں ابھی ان سے معلوم کیے دیتا ہوں۔"

پھر اس نے کاؤنٹر کے نیچے کی طرف رکھے فون پر کوئی نمبر دبایا اور بات کی...

"جی... وہ اپنا نام آصف خان شاہی بتاتے ہیں۔"

اب اس نے ان کی طرف دیکھا۔

"ہوٹل کے مالک کا کہنا ہے کہ وہ اس نام کے کسی شخص کو نہیں جانتے۔"

"یہ تو میں نے خود بھی نہیں کہا۔"

اس نے پھر ریسیور میں کہا۔

"سر... ان کی آپ سے ملاقات نہیں ہے۔"

ہوٹل کے مالک کی بات سن کر وہ بولا۔

"جناب! وہ پوچھ رہے ہیں، کام کیا ہے۔"

"ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ایک خوفناک مسافر کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

اس نے یہ الفاظ بھی دہرا دیے۔ پھر ریسیور ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"لیجیے! آپ خود بات کر لیجیے۔"

اب انسپکٹر جمشید نے ریسیور میں کہا۔

"ہاں جناب! آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"آپ کون ہیں اور کسی شخص کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"میں اپنا نام بتا چکا ہوں، دوبارہ بتانے کا عادی نہیں، آپ کے ہوٹل میں ٹھہرے ایک خوفناک گاہک سے ملنا چاہتا ہوں، آپ کا عملہ اس سلسلے میں میری کوئی مدد نہیں کر رہا۔"

"اور میں بھی مدد نہیں کر سکوں گا۔"

"آپ کی مرضی! ملاقات تو میں اس سے پھر بھی کروں گا۔" وہ بولے۔

"یہ کیا بات ہوئی۔"

"مجھے اس شخص سے ہر حال میں ملنا ہے، کوئی اس کے بارے میں بتائے یا نہ بتائے، کوئی مدد کرے یا نہ کرے، میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ ہے اسی ہوٹل میں۔"

"اس کا نام کیا ہے؟"

"میں صرف حلیہ بتا سکتا ہوں، نام تو اس کا بدلتا رہتا ہے... بدلتا حلیہ بھی رہتا ہوگا، لیکن وہ کسی بھی قسم کے میک اپ میں ہو، میں اسے پہچان سکتا ہوں۔"

"کیا واقعی۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں! بالکل۔"

"آدمی آپ دلچسپ ہیں، آپ سے ملاقات کا شوق پیدا ہو گیا ہے، لہٰذا آپ میرے پاس آ جائیں، بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔"

"اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے..."

"ریسیور کاؤنٹر مین کو دیں۔"

انہوں نے ریسیور اس کی طرف بڑھا دیا، اس نے بات سن کر ایک بیرے کو اشارہ کیا، وہ تیر کی طرح اس کی طرف آیا۔

"انہیں مالک کے کمرے میں پہنچا آؤ۔" اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور بولے۔

"میں سمجھ گیا۔"

"کیا مطلب... آپ کیا سمجھ گئے۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ہوٹل کے مالک کا مجھے بلا لینا، اس بات کی دلیل ہے کہ میں وہاں جا کر پھنس جاؤں گا اور زندہ واپس نہیں آ سکوں گا۔"

"یہ... یہ آپ نے کس طرح اندازہ لگا لیا۔"

"آپ کا لہجہ اس بات کی چغلی کھا رہا ہے۔"

"اوہ نہیں... آپ کا خیال درست نہیں۔"

"اگر میرا خیال درست ہوا تو میں واپس آ کر آپ کو اتنا ضرور بتاؤں گا کہ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔"

وہ ایک بار پھر طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

"اس مسکراہٹ کا مطلب ہے... آپ کہنا چاہتے ہیں، آپ نہیں آئیں گے۔"

"کمال ہے... آخر آپ کس کس چیز کے ماہر ہیں، اندر کی بات بھانپ لیتے ہیں... مسکراہٹ سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ دوسرے آدمی نے کیا سوچا ہے۔"

"یہ سب اللہ کی مہربانی ہے... ویسے آپ اس بات کو لکھ لیں... میں واپس آؤں گا... اور ہاں! میں جانتا ہوں... جونہی میں ہوٹل کے مالک کی طرف جانے کے لیے قدم اٹھاؤں گا... آپ فون پر اسے اطلاع دیں گے کہ میں نے یہاں کھڑے رہ کر کیا کچھ کہا ہے۔"

"کمال ہے... حد ہے... اچھا خیر جائیے... اب میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

پھر وہ جونہی بیرے کے ساتھ قدم اٹھانے لگے، کلرک نے ریسیور اٹھالیا۔

---☆☆☆---

مسٹر باس

"مجھے معلوم تھا، تم لوگ باز نہیں آؤ گے، دخل اندازی کیے بغیر نہیں رہو گے، اس لیے میں نے بھی ہر طرح تم لوگوں کا راستا روکنے کا انتظام کر رکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس وقت تمہیں اس دروازے پر اپنے ساتھیوں کی بجائے میں نظر آ رہا ہوں۔" دروازے پر موجود نقاب پوش سرد آواز میں بولا۔

"آپ کی بہت مہربانی! آپ نے ہمارا اتنا خیال رکھا، ویسے میرے ساتھی کہاں ہیں۔"

"باہر ایک بند گاڑی میں... تمہیں بھی اگر بند گاڑی میں سیر کا شوق ہو تو چل کر اس میں بیٹھ جاؤ، ورنہ یہیں ڈھیر کیے دیتا ہوں۔"

"معلوم ہوتا ہے... آپ کو ڈھیر کرنے کا بہت شوق ہے۔"

"انداز غلط نہیں ہے... سن کر خوشی ہوئی۔"

"اچھی بات ہے، جہاں میرے باقی ساتھی ہیں، وہیں میں۔" یہ کہہ کر اس نے باہر کی طرف قدم اٹھا دیے۔

"ایسے نہیں، ہاتھ اوپر اٹھا کر باہر نکلیے جناب! اس کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

"جی بہت بہتر... آپ بھی کیا یاد کریں گے... ویسے یہ چکر کیا ہے... ہمیں تو اس کے نہ سر کا پتا نہ پیر کا۔"

"لگ جائے گا... کیوں فکر مند ہوتے ہیں... ہر چیز کا پتا لگتے لگتے لگتا ہے۔" وہ ہنسا... اس کی ہنسی عجیب سی تھی... کھوکھلی سی... ہنستے وقت جھٹکے سے لیتا تھا۔

"آپ نے کہیں بجلی تو نہیں پھانک رکھی۔" فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

"کیا مطلب... میں سمجھا نہیں۔"

"ہنستے وقت آپ جھٹکے بہت لیتے ہیں۔"

"دوسروں کی گردنیں جھٹکنے کا شوق ہے... بس خود بھی جھٹکے لینے لگتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"ایسا نہ ہو... کسی دن پورا جھٹکا لے لیں۔"

"بھئی تم میری بجائے اپنی فکر کرو۔"

"اس سے بھی زیادہ مجھے اس چکر کی فکر ہے، جو آپ چلا رہے ہیں۔"

"چل ہی رہے ہیں، سب باتیں واضح کر دوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

پھر وہ ہاتھ اوپر اٹھائے اس کے پاس سے گزر گیا۔ دروازے کے بالکل سامنے واقعی ایک بند گاڑی کھڑی تھی، اس کا پچھلا دروازہ کھلا تھا۔ باہر دو کلاشن کوفوں والے نقاب پوش کھڑے تھے۔ فاروق فوراً گاڑی میں داخل ہو گیا... اس نے دیکھا، اس کے باقی ساتھی سیٹوں پر ساتھ ساتھ بیٹھے تھے، ان کے سروں پر دو کلاشن کوفوں والے بیٹھے تھے۔

"کیا ہوا، آپ ان کے قابو میں اس قدر آسانی سے کیسے آ گئے۔" فاروق

نے منہ بنایا۔

"جیسے تم آ گئے۔" محمود مسکرایا۔

"میں تو یہ سن کر قابو میں آ گیا کہ آپ لوگ پکڑے جا چکے ہیں۔"

"اور ہم یہ سن کر قابو میں آئے کہ امی جان ان کے قبضے میں ہیں۔"

"ارے باپ رے۔" اس نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

پھر گاڑی چل پڑی... ان کا یہ سفر بیس منٹ میں ختم ہوا۔ گاڑی کے شیشے تاریک تھے، لہٰذا وہ راستے کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکے... آخر گاڑی رک گئی، پچھلا دروازہ کھولا گیا... اسی نقاب پوش کی آواز سنائی دی۔

"گاڑی کی سیر سے پیٹ بھر گیا ہو تو نیچے اتر آؤ دوستو۔"

"جی ضرور... کیوں نہیں۔"

اور پھر وہ نیچے اتر آئے۔ انہوں نے دیکھا، گاڑی کسی بڑی عمارت کے اندرونی حصے میں کھڑی تھی۔ اس کی دیواریں بہت اونچی تھیں، دائیں بائیں کی کوئی عمارت نظر نہیں آ رہی تھی، گویا وہ کوئی اندازہ نہیں لگا سکتے تھے۔ پھر انہیں ایک کمرے میں لایا گیا۔ اس کا دروازہ بند ہو گیا... نقاب پوش اور اس کے تین ساتھی بھی اندر آ گئے۔ ان تینوں کے پاس کلاشن کوفیں تھیں... البتہ ان کا باس خالی ہاتھ تھا، کمرے میں سامنے والی دیوار کے ساتھ ایک بھاری میز بچھی تھی، اس میز کے دوسری طرف ایک شاہانہ کرسی موجود تھی، وہ اس کرسی پر بیٹھ گیا۔

"بیگم جمشید کو بھی اسی کمرے میں لے آؤ۔"

"جی اچھا۔" ایک کلاشن کوف والے نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

"پروگرام کیا ہے۔" پروفیسر داؤد نے منہ بنایا۔

"ابھی سامنے آ جاتا ہے، بادشاہو۔" وہ ہنسا۔

"اچھی بات ہے۔" پروفیسر داؤد نے کندھے اچکائے۔

پھر بیگم جمشید رسیوں میں جکڑی اندر لائی گئیں، انہیں بے دردی سے فرش پر گرا دیا گیا۔

"آپ لوگ شاید رحم نام کی کسی چیز سے واقف نہیں ہیں۔" خان رحمان نے جل کر کہا۔

"بالکل درست اندازہ لگایا... ہم بے رحم طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"اپنے موبائل سے انسپکٹر جمشید کو فون کرو اور یہاں کی صورت حال بتاؤ... اس سے کہو... وہ جس حال میں بھی ہیں... فوراً ادھر آجائیں... ورنہ اسے آپ لوگوں کی لاشیں ملیں گی۔"

"وہ ایسی گیدڑ بھبکیوں میں آنے والے نہیں۔"

"تم پیغام تو دو۔"

محمود نے موبائل پر ان کے نمبر ملائے... لیکن ان کا موبائل بند تھا۔

"موبائل بند ہے۔"

"جھوٹ..." وہ ہنسا۔

"آپ خود دیکھ لیں۔"

نقاب پوش نے اس کا موبائل لے لیا اور نمبر دوبارہ ڈائل کیا۔ موبائل بند پا کر اس نے برا سا منہ بنایا... پھر بولا۔

"اچھی بات ہے... اب یہ نمبر ڈائل کرو اور جو آدمی فون سنے، اس سے کہو... یہاں کمرہ نمبر 1 میں انسپکٹر جمشید موجود ہیں... ان سے کہو، فون سن لیں۔"

محمود نے اس کا بتایا ہوا نمبر ڈائل کیا... دوسری طرف سے فوراً

کہا گیا۔

"ہوٹل بونڈ پلیز۔"

"یہاں کمرہ نمبر ایک میں انسپکٹر جمشید موجود ہیں، ان سے کہیے، فون سن لیں۔"

"کیا کہا... کس نمبر میں۔" لہجے سے حیرت ٹپک رہی تھی۔

"کمرہ نمبر ایک میں۔"

"ایک منٹ۔"

اور پھر چند سیکنڈ بعد جواب ملا۔

"کمرہ نمبر ایک سے کوئی رابطہ نہیں ہو رہا جناب۔"

"ایک منٹ ٹھہریں۔" محمود نے کہا اور پھر نقاب پوش کو یہ بات بتا دی۔ اس نے فوراً کہا۔

"اس سے کہو... نمبر تین بات کر رہا ہے... بات کراؤ۔"

محمود نے فون میں کہا۔

"ادھر سے نمبر تین بات کر رہے ہیں، فوراً بات کرائیں۔"

"ایک منٹ۔" اس بار لہجے میں حیرت اور بھی زیادہ تھی۔

چند سیکنڈ بعد ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔

"ہاں نمبر تین... کیا بات ہے۔"

"انسپکٹر جمشید کے سبھی ساتھی ہماری قید میں ہیں... آپ ان سے کہیں فون پر بات کر لیں۔"

"بہت خوب! نمبر تین... یہ کیا ہے کام۔" انسپکٹر جمشید یہ لیجیے... اپنے ساتھی سے بات کر لیجیے۔"

انہوں نے سیٹ لے لیا اور بولے۔

''انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں ... میں جانتا ہوں، تم ان کی گرفت میں ہو... لیکن ہمارے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں... تم گھبرا کیوں گئے۔''

''ہم نہیں... یہ لوگ گھبرا رہے ہیں۔''

''کیا نامعقول بات ہے... ہم اور گھبرائیں گے... قبضے میں تو ہمارے تم ہو۔'' باس نے بلند آواز میں کہا۔

آپ نے ان کی بات سن لی ابا جان۔''

''ہاں بالکل... خیر یہ کیا چاہتے ہیں۔''

''چاہتے ہیں، ہماری صورت حال آپ کو معلوم ہو جائے۔''

''بتا چکا ہوں... معلو ہے۔''

''مسٹر باس! ہمارے ابا جان اللہ کی مہربانی سے ہمارے حالات سے باخبر ہیں... اب آپ بتائیں... آپ کیا چاہتے ہیں۔''

''کیا تمہارے والد تمہیں بچانے کے لیے آنے کی زحمت نہیں کریں گے۔''

''آپ نے ان کی بات سن لی ابا جان۔''

''ہاں! سن لی... مجھے آنے کی ضرورت نہیں... میرے لیے یہاں زیادہ ضروری کام ہے۔''

''ہم جانتے تھے ابا جان ... آپ یہی کہیں گے ... لیکن یہ لوگ نہیں جانتے تھے، لہٰذا اب انہوں نے بھی سن لیا... آپ ہمارے بارے میں قطعاً فکر مند نہ ہوں۔''

''میں فکر مند نہیں ہوں... شکریہ۔''

''تب پھر انسپکٹر جمشید! ان کی لاشوں پر رونے کی تیاری کر لو۔'' باس چیخا۔

''موت اور زندگی تمہارے ہاتھ نہیں۔'' وہ پرسکون انداز میں بولے۔

محمود نے ان کا جملہ باس کے کانوں تک پہنچا دیا...

''اچھی بات ہے... یہ لو پھر... اب تمہاری چیخیں تمہارے والد کو سنائے دیتے ہیں۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی باس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کر دیا اور پھر کمرے میں فائرنگ کی آوازیں گونج اٹھیں...

لیکن وہاں فائرنگ سے پہلے ایک اور بات ہوئی تھی۔

---☆☆☆---

موت کا تہ خانہ

بیرا انہیں ایک دروازے تک لے آیا۔پھر اس نے تین بار آہستہ سے دستک دی۔دروازہ کھل گیا۔پوری طرح مسلح ایک گارڈ نظر آیا۔

''آپ ہی وہ شخص ہیں۔'' اس نے کہا۔

''پتا نہیں! آپ کس کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔''

''جو کسی نامعلوم آدمی کی تلاش میں ہیں اور جن کا دعویٰ ہے کہ وہ اس ہوٹل میں ملے گا۔''

''جی ہاں! یہ کہا جا سکتا ہے۔''

''تب پھر اندر آجایئے۔''

''شکریہ! انہوں نے کہا اور اندر داخل ہو گئے۔ساتھ ہی دروازہ بند ہو گیا۔انہوں نے دیکھا، کمرہ ہال نما تھا۔دیوار کے پاس بھاری بھرکم میز کے سامنے دوسری طرف ایک شاہانہ کرسی پر بارعب سا آدمی بیٹھا تھا۔انسپکٹر جمشید بے خوف انداز سے چلتے ہوئے میز تک جا پہنچے۔

''تو آپ ہیں اس ہوٹل کے مالک۔''

''ہاں! میں ہوں... اور کیا آپ انسپکٹر جمشید ہیں۔''

''ٹھیک پہچانا۔'' وہ مسکرائے۔

''آپ کو کس شخص کی تلاش ہے۔''

''میرے پاس اس کی تصویر ہے۔'' وہ بولے اور تصویر اس کے سامنے رکھ دی... ساتھ ہی ان کی نظریں اس کے چہرے پر جم گئیں۔

''میں نے اس تصویر والے شخص کو کبھی اپنے ہوٹل میں نہیں دیکھا۔''

''میں آپ کی بات کو غلط ثابت کر سکتا ہوں۔'' وہ مسکرائے۔

''خوب خوب... ضرور ثابت کریں۔'' وہ ہنسا۔

''اس کی باری بعد میں آئے گی... پہلے تو میں آپ کا نام جاننا چاہوں گا۔''

''ضرور! کیوں نہیں، میرا نام سانا رائے ہے۔''

''بہت خوب! رائے صاحب! میں اس تصویر والے شخص کا تعارف آپ سے کرا دوں... کیا میں بیٹھ سکتا ہوں۔'' وہ نرم انداز میں بولے، وہ ابھی تک کھڑے ہوئے تھے اور اس نے بیٹھنے کے لیے نہیں کہا تھا۔

''بیٹھ جایئے۔'' اس نے ناخوش گوار انداز میں کہا۔

وہ کرسی پر بیٹھ گئے، ساتھ ہی کرسی نے انہیں بری طرح جکڑ لیا۔چمڑے کے تسمے ان کے جسم کے گرد لپٹتے چلے گئے، لیکن ان کے چہرے پر ذرا بھی خوف نظر نہ آیا۔البتہ ایک طنزیہ مسکراہٹ ضرور ناچ رہی تھی۔

''انسپکٹر جمشید! آپ کو حیرت نہیں ہوئی۔''

''نہیں... بے چاری حیرت ناکام ہو گئی۔''

''آپ کو خوف بھی محسوس نہیں ہوا۔''

''خوف صاحب سے ہماری ملاقات نہیں۔'' انہوں نے منہ بنایا۔

''لیکن اب آپ کریں گے کیا، آپ تو پھنس گئے۔''

"ایسا میری زندگی میں پہلی بار نہیں ہوا۔"

"او کے... اب فرمائیے... آپ تصویر والے شخص کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے۔"

"یہ شخص بہت پرانا مجرم ہے، کئی بار کا سزا یافتہ ہے، آخری بار جیل سے بھاگ نکلا تھا... اس وقت سے اب تک پولیس اسے گرفتار نہیں کر سکی۔ اس شہر کے ایک بہت ہی دیانت دار پولیس آفیسر نے ہمیں اطلاع دی کہ اس نے اس شخص کو یہاں دیکھا ہے... بس میرے آفیسر نے اس کی گرفتاری کی ذمے داری مجھے سونپ دی اور میں یہاں آگیا، میں آپ کو بتا دوں... یہ بہت خطرناک ہے... کوئی عام مجرم نہیں، اس کے جرائم کی تفصیل بہت لمبی ہے... لہٰذا آپ اسے بچانے کی کوشش نہ کریں... فائدے میں رہیں گے... اسے میرے حوالے کر دیں۔"

"آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے میں نے اسے پناہ دے رکھی ہے، ہوٹل میں کہیں چھپا رکھا ہے..."

"میرا خیال ہے... وہ ہوٹل میں موجود ہے اور آپ جانتے ہیں، کہاں ہے۔"

"اس کا نام نہیں بتایا آپ نے۔" سانا رائے نے سرسری انداز میں کہا۔

"اوہ ہاں! اس کا نام شوما پانڈے ہے۔"

"یہ نام بھی میں پہلی بار سن رہا ہوں۔"

"آپ سے بہت بڑی غلطی ہو چکی ہے مسٹر سانا رائے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"وہ کیا؟" اس نے بے فکری کے انداز میں کہا۔

"اگر آپ شوما پانڈے کو نہیں جانتے اور وہ آپ کے ہوٹل میں نہیں ہے تو

آپ کو مجھے اس کرسی میں جکڑنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"ہاں واقعی... کوئی ضرورت نہیں تھی... آپ کو یہ کرسی ابھی چھوڑ دے گی، بس آپ میرا اطمینان کرا دیں کہ یہاں سے چپ چاپ واپس چلے جائیں گے۔"

"جاؤں گا تو شوما پانڈے کو لے کر۔"

"ٹھیک ہے... آپ کو اجازت ہے... ہوٹل سے اسے برآمد کر لیں اور ساتھ لے جائیں۔"

عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی۔ سانا رائے نے ریسیور اٹھا لیا... پہلے خود بات کرتا رہا پھر ریسیور ان کی طرف بڑھا دیا۔

"کوئی آپ کے مہربان ہیں۔" اس کے لہجے میں طنز ہی طنز تھا۔

وہ فون پر بات کرتے رہے، دوسری طرف محمود بات کر رہا تھا اور وہاں کی صورت حال بتا رہا تھا... آخر انہوں نے فون رکھ دیا۔

"میں جاؤں گا ضرور... لیکن شوما پانڈے کو لے کر جاؤں گا... چاہیے وہاں کچھ ہو جائے۔"

"میں نے تو کہا ہے، تلاش کر لیں، ملتا ہے تو لے جائیں۔"

"اپنی اس کرسی کو حکم دیں یہ مجھے چھوڑ دے۔"

"اب یہ میرا حکم نہیں مانے گی۔" وہ ہنسا۔

"کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"آپ کو خود ہی آزاد ہونا ہوگا۔"

"آپ کی مرضی... اب آپ بھی خود کو گرفتار خیال کریں... کیونکہ آپ نے مجھے حبسِ بے جا میں رکھا ہے، باقاعدہ قید کیا ہے۔"

"بھئی آپ اس کرسی سے آزاد..."

عین اس لمحے دروازے پر تین بار آہستہ سے دستک ہوئی...

اس نے چونک کر گارڈ کی طرف دیکھا... پھر بولا۔

"دیکھو... کون ہے... ارے ہم... مگر... کاؤنٹر سے فون تو کیا نہیں گیا..."

"پھر..." گارڈ نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ایک منٹ۔"

یہ کہہ کر اس نے فون پر کوئی نمبر ملایا اور بولا۔

"کیا اس طرف کسی کو بھیجا گیا ہے۔"

دوسری طرف کا جواب سن کر اس نے ریسیور رکھ دیا اور انسپکٹر جمشید پر نظریں جما دیں۔

"باہر کون ہے۔"

"مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں۔" انہوں نے حیرت ظاہر کی۔

"اس لیے کہ کاؤنٹر سے کسی کو نہیں بھیجا گیا... اور خود سے کوئی اس طرف آ نہیں سکتا... اس کا مطلب ہے... آپ کا کوئی ماتحت آپ کے ساتھ سائے کی طرح لگا ہوا یہاں تک آیا تھا اور اسی نے دستک دی ہے۔"

"آپ کا خیال ٹھیک ہے..."

"اچھی بات ہے... دروازہ نہ کھولنا بھئی۔"

"اس صورت میں دروازہ توڑ دیا جائے گا۔"

"لیکن... باہر موجود ایک شخص دروازہ کیسے توڑ دے گا... آخر یہ ہوٹل ہے۔"

"ابھی تجربہ ہو جاتا ہے... نمبر ایک... دروازہ توڑ کر اندر آ جاؤ۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی دروازہ اندر کی طرف گرا... گارڈ اس کے نیچے دب گیا... کیونکہ دروازہ بہت وزنی تھا۔ ساتھ ہی سانا رائے نے اپنا پستول نمبر ایک پر خالی کر دیا، لیکن ایک گولی بھی اسے نہ لگی، وہ صحیح سلامت کھڑا نظر آیا۔

"اب کیا خیال ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

اس وقت نمبر ایک نے گارڈ پر چھلانگ لگائی... کیونکہ وہ دروازے کو اپنے اوپر سے اٹھا چکا تھا۔ چھلانگ کے ساتھ ہی وہ دھڑام سے گرا اور کلاشن کوف اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ نمبر ایک نے فوراً اس پر قبضہ کر لیا۔

"ہاتھ اوپر اٹھا دو۔" اس نے سرد آواز میں کہا۔ اس کے ہاتھ اٹھ گئے۔

"اور تم بھی مسٹر..." اس نے سانا رائے کی طرف دیکھا... لیکن پھر اسے جھٹکا لگا... سانا رائے کمرے میں نہیں تھا... انہوں نے کوئی دروازہ بھی کھلتا نہیں دیکھا تھا۔

"ارے! یہ کدھر گیا۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"مجھے افسوس ہے سر، مجھ سے چوک ہو گئی۔"

"کوئی بات نہیں... وہ بچ کر نہیں جا سکتا... اس کی میز کے نیچے دیکھو، میرا خیال ہے، نیچے کوئی خفیہ راستہ ہے۔"

"پہلے میں آپ کو کیوں نہ کھولوں۔"

"میز پر کوئی بٹن موجود ہے... اس کے دبانے سے میں خود بخود آزاد ہو جاؤں گا۔" یہ کہتے ہوئے انہوں نے گارڈ کی طرف دیکھا تو وہ بھی غائب تھا... شاید اس نے باہر چھلانگ لگا دی تھی۔

نمبر ایک میز کی طرف لپکا، جلد ہی اسے وہ بٹن مل گیا، اس کے

دباتے ہی ان کے تسمے کھل گئے۔اب وہ بھی میز کی طرف بڑھے۔ نیچے انہیں کوئی دروازہ نظر نہ آیا۔انہوں نے میز اوراس کے پایوں کا جائزہ لیا۔اندر میز کے نیچے ایک بٹن نظر آیا۔انہوں نے اللہ کا نام لے کر اس کو دبا دیا... فوراً ہی خلا نمودار ہوا اور سیڑھیاں نیچے جاتی نظر آئیں... انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، سیڑھیاں اترتے چلے گئے... فوراً ان پر فائرنگ ہوئی... انہوں نے خود کو سیڑھیوں پر گرادیا... ساتھ ہی ان دونوں کے پستول گولیاں اگلنے لگے،اسی حالت میں لڑھکتے ہوئے آخر وہ فرش پر پہنچ گئے... چونکہ ان کی طرف سے بھی فائرنگ شروع ہوگئی تھی،اس لیے سانارائے اب آزادانہ ان پر فائرنگ نہیں کر رہا تھا۔ہال میں ستون موجود تھے... اور اس نے کسی ستون کی اوٹ لے رکھی تھی... اب وہ بھی ایک ستون کی اوٹ میں آگئے۔

"سانارائے... اب تم بچ نہیں سکتے،لہٰذا خود کو ہمارے حوالے کردو۔"

"یہ آپ کی بھول ہے،انسپکٹر جمشید... میں بچ چکا ہوں... آپ اب یہاں سے بچ کر نہیں جاسکتے... اس لیے کہ۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"اس لیے کہ کیا؟"

"اس لیے کہ یہ تہ خانہ موت کا تہ خانہ ہے۔"

"ایسے تہ خانے ہم نے بہت دیکھے ہیں۔"

"اچھی بات ہے... اپنے چاروں طرف نظر دوڑالیں ذرا،اندازہ ہو جائے گا۔"

انہوں نے چاروں طرف دیکھا... تہ خانے کی دیواروں سے ان گنت رائفلوں کی نالیں جھانک رہی تھیں۔

"اب بتائیں... اتنی رائفلوں کے مقابلے میں آپ کے یہ دو پستول کیا کام آسکیں گے بھلا... اب آپ اس ستون سے ہٹ کر سیڑھیوں کی طرف نہیں

جاسکتے... اور یہی میرا پروگرام تھا... کاؤنٹر کلرک کے لہجے سے اگرچہ آپ سمجھ گئے تھے،لیکن اس کے باوجود آپ پھنس گئے... اس کا مطلب ہے... آپ میں عقل وقل نہیں... بس آپ بلاوجہ مشہور ہو گئے... اور پہلی بار برابر کے آدمی سے واسطہ پڑا ہے۔"

"تم یہ کہہ سکتے ہو... اس وقت حالات تمہارے حق میں ہیں..." ان کے لہجے سے مایوسی جھلک رہی تھی۔

نمبر ایک نے چونک کر ان کی طرف دیکھا اور پھر حیرت زدہ رہ گیا۔

---☆☆☆---

دھماکا ہوتا ہے

جونہی فاروق نے محسوس کیا کہ اب وہ فائرنگ کرنے لگے ہیں، اس نے ہاتھ میں پکڑا پنسل تراش فرش پر دے مارا۔ ایک دھماکا ہوا، ساتھ ہی فائرنگ کی آواز بھی گونج اٹھی، لیکن دھماکا ہونے کی وجہ سے فائرنگ کرنے والے بری طرح اچھلے تھے، اس طرح گولیاں ادھر ادھر لگیں اور وہ صاف بچ گئے، ساتھ ہی باس اور اس کے ساتھی گرتے چلے گئے۔

"چلو میدان صاف ہوا... اب انکل اکرام کو فون کرتے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"وہ تو ظاہر ہے، کرنا ہی ہوگا، لیکن پہلے باہر نکل کر دیکھنا ہوگا، ہم کہاں ہیں۔"

جلد ہی اکرام وہاں پہنچ گیا۔ ان سب کو گرفتار کر لیا گیا۔

"انکل اکرام! ذرا نقاب پوش صاحب کے چہرے سے نقاب الٹ دیں..."

ضرور کیوں نہیں، یہ خوش گوار کام کرنے کے لیے تو میں بے چین رہتا ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے نقاب الٹ دیا، پھر خود زور سے اچھلا۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ البتہ ان لوگوں کے لیے وہ اجنبی چہرہ تھا۔

"اس کا مطلب ہے، آپ اسے پہچانتے ہیں۔"

"ہاں! کیوں نہیں، اس کا نام مونا بنارسی ہے... یہ بہت پرانا جرائم پیشہ ہے اور ایک مدت سے روپوش ہے... اسی لیے اسے آج اچانک دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی... کیوں مسٹر مونا بنارسی میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔"

"کوئی فائدہ نہیں۔" وہ مسکرایا۔

"کیا کہا، کوئی فائدہ نہیں... کس بات کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"مجھے گرفتار کرکے آپ کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے... اس لیے کہ باس میں نہیں... کوئی اور ہے اور میں خود نہیں جانتا، باس کون ہے۔"

"کیا واقعی۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"جی ہاں! واقعی۔"

"خیر کوئی بات نہیں! آپ ہمیں اپنی کہانی تو سنا ہی سکتے ہیں اور ظاہر ہے، اس کہانی کا تعلق کسی نہ کسی طرح باس سے ضرور ہوگا۔"

"ہاں! کیوں نہیں، لیکن اس تعلق سے بھی آپ کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔"

"دیکھا جائے گا، ضروری نہیں کہ آپ کا خیال درست ہو۔"

پھر وہ انہیں دفتر لے آئے۔ اکرام نے سرد آواز میں مونا بنارسی سے کہا۔

"شروع ہو جاؤ، جھوٹ بولنے کی کوشش کی تو پھر شکنجے میں کس کر سچ اگلوایا جائے گا۔"

"میں جیل سے نکل بھاگا تھا، حلیہ تبدیل کر کے ایک ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا کہ باس کا فون موصول ہوا، اس نے فون پر بتایا کہ وہ مجھے جانتا ہے، میں مونا بنارسی ہوں اور اگر وہ چاہے تو اسی وقت پولیس کو میرے کمرے میں بھیج سکتا ہے، اس لیے کہ پولیس اسٹیشن ہوٹل کے نزدیک ہی ہے، دوسرے یہ کہ فون کے فوراً بعد اگر میں فرار ہونے کی کوشش کروں گا، تو یہ کوشش بھی ناکام ہوگی، چاہے میں اس کا تجربہ کرلوں، لہٰذا میں چپ چاپ اس کے لیے کام کرنا منظور کرلوں..." یہاں تک کہہ کر مونا خاموش ہوگیا۔

"پھر کیا ہوا، کیا تم نے اتنی سی بات پر اس کے لیے کام کرنا منظور کرلیا۔"

"نہیں! اس نے زبردست تنخواہ کی پیش کش کی... میں نے فون پر تو یہی کہا کہ ٹھیک ہے، لیکن فون بند ہوتے ہی ہوٹل سے بھاگ نکلا... ایک ٹیکسی میں بیٹھتے ہی میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا جس قدر تیز چل سکتے ہو چلو... اور یہ کہ مجھے شہر کے کسی دور دراز ہوٹل تک لے چلو، ڈرائیور ہوا ہو گیا، میں ایک اور ہوٹل میں پہنچ گیا... اور اس خوش فہمی میں مبتلا ہوگیا کہ میں نے اس پراسرار آدمی سے اپنا پیچھا چھڑا لیا ہے۔" ایک بار پھر وہ خاموش ہوگیا۔

"تو کیا تمہارا خیال غلط نکلا۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں بالکل... دوسرے دن اس ہوٹل میں بھی مجھے اس کا فون ملا، تو اس پراسرار باس نے کہا... میں اس کی نظروں سے بچ کر ہرگز نہیں نکل سکتا... وہ اس وقت بھی چاہے تو مجھے گرفتار کرا سکتا ہے... میں دھک سے رہ گیا..."

"اور تم نے اس کے لیے کام کرنا منظور کرلیا۔"

"نہیں!" وہ مسکرایا۔

"کیا کہا... نہیں۔"

"ہاں! ایک بار پھر میں وہاں سے بھاگ نکلا۔"

"اوہ! بہت خوب! یہ ہوئی بات۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"پھر کیا ہوا۔"

"میں ایک اور ہوٹل میں پہنچ گیا، اس نے وہاں بھی رابطہ کرلیا، اس بار اس نے کہا، اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں، میں جہاں بھی جاؤں گا، وہ مجھ تک پہنچ جائے گا... لہٰذا شان دار تنخواہ پر کام کرنا منظور کرلو۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہوگیا۔

"اور تم نے کام کرنا منظور کرلیا۔"

"نہیں! اتنی جلدی تو ہار ماننے والا میں بھی نہیں تھا۔ فون پر میں نے اس سے کہہ دیا کہ کل بتاؤں گا اور دوسرے دن منہ اندھیرے ہوٹل سے نکل بھاگا، ایک بس میں بیٹھ کر دوسرے شہر پہنچ گیا... وہاں ایک گمنام سے ہوٹل میں جا ٹھہرا... وہاں فون تک کا انتظام نہیں تھا... میں دل میں خوش ہو رہا تھا کہ اب بھلا وہ کیسے رابطہ کرے گا... لیکن میرا یہ خیال بھی غلط نکلا اور وہاں اس کا ایک آدمی پہنچ گیا..."

"پھر..."

"اس بار اس نے صرف منہ سے بات نہیں کی... بلکہ اس کے غنڈے نے میری مرمت بھی کی... جب مجھے خوب مار پیٹ چکا تو اٹھا کر اپنی کار میں ڈالا اور پھر اس شہر میں لے آیا اور پہلی بار میں جس ہوٹل میں ٹھہرا تھا، اس میں لے آیا... اس کے ایک کمرے میں باس نے مجھ سے ملاقات کی... اس وقت کمرے میں کلاشن کوفوں والے چار آدمی موجود تھے۔ باس نے کہا۔

"اب دو میں سے ایک کام ہوگا یا تو تم میرے لیے کام کرو گے یا پھر یہیں سے پولیس تمہیں پکڑ کر لے جائے گی اور تم فرار نہیں ہو سکو گے... اور یہ بھی خیال نہ کرنا کہ آج نہیں تو کل فرار ہو جاؤ گے... نہیں... ایسا بھی نہیں ہوگا، اس صورت میں

تمہیں گولی ماردی جائے گی۔"

اب میں کیا کرتا، اس کے لیے کام کرنا منظور کرلیا۔ اب وہ مجھے تیس ہزار روپے ماہانہ دیتا اور کام لیتا ہے۔"

"اس ہوٹل کا نام... جس میں اس نے ملاقات کی تھی۔"

"ہوٹل تھری مون۔"

"مسٹر مونا... اب ذرا یہ بتادو... وہ تم سے کیا کام لیتا ہے۔"

"خدا کے لیے مجھ سے یہ نہ پوچھو... "

"کیا مطلب... یہ بتانے میں کیا حرج ہے۔"

عین اس لمحے اس کی جیب میں رکھے موبائل کی گھنٹی بجی... اس نے چونک کر ان کی طرف دیکھا... جیسے پوچھ رہا ہو... اب کیا کروں... کیا یہ فون سنوں۔

"فون سن لو... کوئی حرج نہیں۔"

"جی اچھا۔" اس نے کہا اور جیب سے موبائل نکال کر بیٹ کان سے لگالیا اور بولا۔

"یس سر"

دوسری طرف کی آواز سن کر اس کے چہرے پر خوف دوڑ گیا... وہ بات سنتا رہا... پھر فون بند کر کے جیب میں رکھ لیا...

"کیا فون پر وہی باس تھا"

"ہاں! اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"اس نے کیا کہا ہے۔"

"کہہ رہا تھا، ایک لفظ بھی بتایا تو جان سے جاؤ گے... "

"اوہ... اوہ۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

"لیکن اگر تم نے نہ بتایا تو بھی تم جان سے جاؤ گے... چلو بتاؤ... وہ تم سے کیا کام لیتا ہے۔"

"افسوس! میں نہیں بتاؤں گا۔"

"انکل! اسے شکنجے میں کسنا ہوگا۔"

اکرام نے ماتحتوں کو اشارہ کیا۔ اب اسے کمرہ امتحان میں لایا گیا... وہاں نصب آلات دیکھ کر وہ کانپ گیا اور بولا۔

"نن نہیں... نہیں... ایسا نہ کرو... میں مجبور ہوں، وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"ہم بھی تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔" محمود نے برا سامنہ بنایا۔

آخر اسے شکنجے میں کس دیا گیا، بجلی کا بٹن دبا دیا گیا... اس کی چیخوں نے آسمان سر پر اٹھالیا... آخر اس نے کہا...

"بند کرو... بند کرو... میں بتاتا ہوں۔"

بٹن آف کر دیا گیا۔

"ہاں بتاؤ۔"

"پہلے مجھے کھولو۔"

"نہیں! اسی حالت میں بتانا ہوگا۔"

"اچھی بات ہے... سنیے۔"

ابھی اس نے یہ کہا تھا کہ ایک دھماکا ہوا اور اس کے جسم کے ٹکڑے اڑ گئے، کمرے کی چھت بھی اڑ گئی اور ملبہ ان پر گرا... وہ سب بے ہوش ہو گئے...

ہوش آیا تو ہسپتال میں تھے... محمود نے فوراً کہا۔

"انکل... جلدی کریں... ہمیں ہوٹل تھری مون جانا ہے۔"

"آپ نہیں جاسکتے... سب کے سب زخمی ہیں۔" کمرے میں موجود ڈاکٹر نے کہا۔

"لیکن ہمیں جانا ہوگا... ورنہ کیس کا مجرم نکل جائے گا... اور وہ ایک خوفناک مجرم ہے۔"

"آپ لوگوں کی حالت اس قابل نہیں۔"

"کوئی بات نہیں... ہم چلے جائیں گے۔"

"میں اجازت نہیں دے سکتا۔"

"انکل... اب کیا کریں گے۔"

"صبر!" اکرام بولا۔

آخر دوسرے دن انہیں ہسپتال سے جانے کی اجازت مل سکی... ابھی وہ ہسپتال سے نکل رہے تھے کہ ایک کار وہاں آ کر رکی... جونہی ان کی نظر کار کے اندر پڑی... وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

---☆☆☆---

خبردار

"بہت خوب انسپکٹر جمشید! یہ ہوئی نا بات، اب اچھے بچوں کی طرح ہاتھ اوپر اٹھا دو، اس سے پہلے اپنے پستول ادھر اچھال دو۔"

نمبر ایک نے پھر سوالیہ انداز میں ان کی طرف دیکھا۔

"اچھال دو بھئی... یہ بھی کیا یاد کریں گے۔" وہ شوخ انداز میں مسکرائے۔

اور پھر کوئی چیز فضا میں بلند ہوئی... جب وہ فرش پر گری تو ایک ہلکا سا دھماکہ ہوا، ہال دھوئیں سے بھر گیا... دھواں اس قدر گہرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی دینا بند ہو گیا... انسپکٹر جمشید نے نمبر ایک کا ہاتھ پکڑا اور اسے ایک طرف کھینچنے لگے... ادھر دشمن کے جو لوگ دیواروں کے دوسری طرف تھے، اندھا دھند فائرنگ کرنے لگے... انسپکٹر جمشید نے نمبر ایک کے کان میں کہا۔

"ہمیں زمین پر رینگ کر سیڑھیوں تک جانا ہے اور سیڑھیوں پر بھی رینگ کر چڑھنا ہے۔"

اس نے سر ہلا دیا۔ دونوں اس طرح تہ خانے سے نکل آئے... انہوں نے دروازہ بند کر دیا... اس کمرے میں کوئی نہیں تھا۔

"باہر کی کیا پوزیشن ہے۔"

"فورس کے نو آدمی باہر چوکس موجود ہیں... جونہی کوئی فرار ہونے کی کوشش کرے گا، وہ اسے دبوچ لیں گے۔"

خوب! لیکن میرا خیال ہے، یہ لوگ فرار ہونے کی کوشش نہیں کریں گے... ہوٹل ہی میں غائب ہو جائیں گے... جن لوگوں نے اس قدر زبردست تہ خانہ بنا رکھا ہے، انہوں نے چھپنے کی اور جگہیں بھی بنا رکھی ہوں گی... لہٰذا ہم بھی انھی کی چال میں انہیں جواب دیں گے۔"

"میں سمجھا نہیں سر۔"

"فوراً ریڈی میڈ میک اپ کر لو... اور باہر نکل چلو۔"

دونوں ہوٹل سے باہر نکل آئے... جلد ہی وہ نئے میک اپ میں ہاتھوں میں بریف کیس اٹھائے ہوٹل میں داخل ہو رہے تھے... کاؤنٹر پر رک کر انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ہمیں ایک کمرہ چاہیے۔"

"ضرور جناب! کیوں نہیں۔" وہ مسکرایا۔

جلد ہی وہ اپنے کمرے میں آ گئے...

"لیکن سر... جس کی تلاش میں آپ یہاں آئے ہیں، اس سے تو ابھی تک ملاقات ہوئی ہی نہیں۔"

"تمہارا مطلب ہے... شوما پانڈے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی ہاں!" نمبر ایک نے فوراً کہا۔

"فکر نہ کرو... اسے لے کر ہی یہاں سے اپنے شہر جائیں گے۔"

عین اس لمحے کسی نے دروازے پر دستک دی۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا... پھر انسپکٹر جمشید نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

"کون؟"

"بیرا سر... ضروری کاغذات پر آپ کے دستخط رہ گئے ہیں۔"

"دروازہ کھول دو بھئی۔" انہوں نے کہا اور ساتھ ہی پستول پر ان کا ہاتھ جم گیا... پھر وہ اٹھے اور دروازے کی اوٹ میں ہو گئے۔

نمبر ایک نے بھی دروازہ کھولتے ہی اوٹ میں ہونے کی کوشش کی... فوراً ہی تین لمبے تڑنگے آدمی اندر داخل ہوئے اور انہوں نے دروازہ بند کر لیا۔ ان کے ہاتھوں میں بھاری بھرکم پستول تھے۔ انہیں کمرے میں نہ پا کر وہ دروازے کی طرف مڑے۔

"اوہ... تو آپ دیوار سے لگے کھڑے ہیں۔"

"کیا چکر ہے... کیا یہاں آ کر ٹھہرنے والوں کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے۔"

"نہیں! یہ سلوک صرف آپ کے ساتھ کیا گیا ہے... دراصل ہمارے باس کا خیال تھا... آپ ضرور اب میک اپ میں واپس آئیں گے... سو ان کا خیال درست نکلا۔ جونہی انہیں بتایا گیا کہ دو آدمی ہوٹل میں ٹھہرنے کے لیے آئے ہیں اور انہیں کمرہ نمبر 50 دیا گیا ہے تو اس نے اس کمرے میں ہونے والی بات چیت سننا شروع کر دی۔ یہ انتظام یہاں پہلے سے ہے... سو انسپکٹر جمشید... آپ پھر پھنس گئے۔"

"نہیں... پھنس تو دراصل ہم اس تہ خانے میں گئے تھے..."

ان الفاظ کے ساتھ ہی تین فائر ہوئے اور ان کے ہاتھوں سے پستول نکل گئے...

"ہاتھ اٹھا دو دوستو اور یہ بتاؤ... اب کیا خیال ہے۔"

"کوئی خاص بات نہیں، یہ ہوٹل باس کے دشمنوں کے لیے ایک پنجرا ہے... جو ایک بار آ جاتا ہے... نکل نہیں پاتا۔"

"لیکن ہم نکل کر پھر آئے ہیں۔"

"اگر باس کو اندازہ ہوتا کہ آپ لوگ واپس نہیں آئیں گے تو وہ جانے بھی نہ دیتے۔"

"خیر خیر... دیکھ لیں گے... اپنے باس کو آواز دو... ورنہ ہم تمہاری پنڈلیوں کا گودا فرش پر بہا دیں گے۔"

"وہ اس کمرے میں ہونے والی ایک ایک بات سن چکے ہیں اور آتے ہی ہوں گے۔"

"تم نے ٹھیک کہا سوڈانی... ہم آ گئے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی سانا رائے اندر داخل ہوا... اس کے دائیں بائیں دو باڈی گارڈ تھے...

"انسپکٹر جمشید... یہ ہماری اور تمہاری آخری ملاقات ہے... ہم تینوں اس وقت بلٹ پروف لباس میں ہیں، آنکھوں تک پر بھی بلٹ پروف شیشے موجود ہیں، جب کہ ہم تمہیں آسانی سے نشانہ بنا سکتے ہیں... مطلب یہ کہ تم ایک بار پھر پھنس گئے..."

"کوئی پروا نہیں... صرف اتنا بتا دو... شوما پانڈے کہاں ہے۔"

"ہوٹل میں ہے، لیکن آپ اس سے نہیں مل سکتے... اب آپ کے پاس وقت نہیں ہے... شوٹ کر دو، ان دونوں کو۔"

اس حکم کے ساتھ ہی ان پر گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی، لیکن وہ اس سے پہلے لڑھک کر ان کی کمر کی طرف پہنچ چکے تھے... ساتھ ہی وہ اچھلے اور ان کی

ٹانگیں ان تینوں پر اس زور سے لگیں کہ اوندھے منہ گرے، ساتھ ہی ان کے پستول ان کے قبضے میں آ گئے...

"خبردار... اب تم کوئی حرکت نہیں کرو گے۔"

"بھول گئے انسپکٹر صاحب... ہم بلٹ پروف لباس میں ہیں۔"

"اوہ ہاں! واقعی... اچھا خیر... دو دو ہاتھ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" وہ مسکرائے۔

"ہاں ضرور... کیوں نہیں... اب تمہیں لوہے کے تین آدمیوں سے ٹکرانا ہے۔"

"اچھا ہوا، بتا دیا..." انسپکٹر جمشید نے کہا۔

ساتھ ہی ان تینوں نے ان پر چھلانگیں لگائیں... وہ اگرچہ یہ وار بچا گئے، تاہم انہوں نے جان لیا کہ مقابلہ بہت ماہر قسم کے لوگوں سے ہے، سانا رائے ایسے ہی نہیں ان کے کمرے میں آ گیا تھا۔

ادھر وہ پھر پر تول رہے تھے، انہوں نے تینوں پر نظریں جما دیں۔ اچانک وہ اچھلے... اس بار دونوں نے صرف ذرا سا ترچھا ہو کر وار بچایا۔ وہ دیوار سے ٹکرائے، لیکن پھر مڑے... ساتھ ہی ہنسے۔

"انسپکٹر جمشید... تھک جاؤ گے ورزش کرتے کرتے..."

"مطلب یہ کہ تم لوگوں کو دیواروں سے ٹکرا کر چوٹ نہیں لگتی... تم نے ایسے لباس پہن رکھے ہیں۔"

"درست سمجھے۔"

"خیر کوئی بات نہیں... اب ہم ذرا نئے انداز سے لڑیں گے۔"

"اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

''ہم اپنی کوشش تو کریں گے ...'' یہ کہتے ہی وہ نمبر ایک کی طرف مڑے۔

''ترکیب نمبر نو۔''

''یس سر۔'' اس نے فوراً کہا۔

''یہ ترکیب نمبر نو کیا ہے، انسپکٹر صاحب۔'' سانارائے ہنسا۔

''ابھی سامنے آجاتی ہے۔''

''انہوں نے پھر چھلانگ لگائی۔ اس بار دونوں نے بچنے کی کوئی کوشش نہیں کی، انہیں اپنی طرف آنے دیا۔ جونہی وہ اڑتے ہوئے ان تک پہنچے، دونوں جھکے اوران میں سے دو کو اپنے ہاتھوں پر لے لیا، ساتھ ہی ان کے ہاتھ بلند ہوتے چلے گئے ... اب ان دونوں کے جسم ان کے سروں سے بلند ہو چکے تھے، جب کہ تیسرا اپنی جھونک میں آگے بڑھ گیا تھا، کیونکہ انہوں نے ساتھ ہی اپنا رخ تبدیل کیا تھا... پھر اوپر اٹھے ہوئے دونوں جسم تیسرے پر پورے زور سے گرے۔ تینوں کے منہ سے چیخیں نکل گئیں... لیکن دوسرے ہی لمحے وہ پھر اپنے پیروں پر کھڑے نظر آئے۔

''اب کیا خیال ہے انسپکٹر جمشید۔''

''نیک خیال ہے۔'' وہ پرسکون آواز میں بولے۔

''پھر کوشش کرو... اس وقت تک آپ بالکل ناکام ہیں۔''

''اللہ مالک ہے۔''

وہ پھر ان کی طرف آئے... دونوں یک دم ایک طرف ہو گے ،تاہم انہوں نے اپنی ٹانگیں آگے کر دیں، وہ ان کے بل پر دوسری طرف گرے، ایسے میں دونوں اچھلے اور ان کی کمر پر آ کر گرے... ایک بار پھر دو چیخے... لیکن تیسرا ان پر ٹوٹ پڑا، انسپکٹر جمشید نے جھکائی دے کر اسے اپنی کمر پر لے لیا اور فرش پر پٹخ

دیا... اب دونوں دیوار سے جا لگے، ان کے اٹھنے کا انتظار کرنے لگے، ساتھ ہی انسپکٹر جمشید نے نمبر ایک کے کان میں کچھ کہا، اس نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔

ایک بار پھر وہ ان پر حملہ آور ہوئے، پہلے سے طے شدہ بات کے تحت ان میں سے ایک کا بازو انسپکٹر جمشید نے اور دوسرے کا نمبر ایک نے دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور پورے زور سے دیوار کی طرف اچھال دیا۔

اس بار وہ اس قدر قوت سے ٹکرائے کہ ان کی دل دوز چیخوں سے کمرہ گونج اٹھا... دونوں ساکت ہو گئے۔

اب انہوں نے تیسرے کی آنکھوں میں خوف دیکھا... اور تیسرا سانارائے تھا۔

---☆☆☆---

تعاقب

"اب کیا خیال ہے، مسٹر سانارائے، چلیں... یا پھر ابھی تم میں لڑنے کی سکت ہے۔"

"میں لڑوں گا۔" اس نے اچانک کہا، چہرے سے خوف بھی دور ہوتا نظر آیا۔

"خوب خوب! ہو تم بھی بہادر! یہ بات ماننا پڑتی ہے... اچھا خیر... اگر تم بھی اسی طرح زمین پر پٹخے جانے کی خواہش محسوس کر رہے ہو تو میں کیا کہہ سکتا ہوں... آؤ۔"

وہ کمرے کے درمیان میں آ گیا۔ ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے پر سوچ کے آثار ابھرے، جیسے سوچ رہا ہے، کس رخ سے حملہ کرے، پھر اس نے پرسکون آواز میں کہا۔

"انسپکٹر جمشید! اگر آپ نے میرا یہ وار خالی دے دیا تو میں اپنی ہار خود بخود مان لوں گا۔"

"چلو ٹھیک ہے... آخری وار بھی آزما لو۔"

اچانک وہ اپنی ایڑی پر گھوما اور بجلی کی تیزی سے اچھلا، اچھلتے

ہی اس کا جسم پوری طاقت سے دروازے سے ٹکرایا، دروازہ دوسری طرف گرا اور ساتھ ہی اس نے دوڑ لگا دی۔

"ارے، ارے... یہ کیا بھئی۔" انسپکٹر جمشید ہنس پڑے...

پھر دونوں کمرے سے باہر نکلے اور پرسکون انداز میں چلتے ہوئے ہوٹل سے باہر آ گئے۔ باہر نمبر ایک کے ساتھی موجود تھے۔ اس نے ہاتھ کا اشارہ دیا تو دو آدمی تیر کی طرح اس کی طرف آئے۔

"کیا رہا۔"

"وہ پچھلے دروازے سے نکل کر فرار ہوا ہے... اس کا تعاقب جاری ہے... ویسے وہ اس خیال میں ہے کہ ہم اس کے تعاقب میں نہیں نکل سکے۔"

"بہت خوب! آؤ۔"

پھر وہ ایک بڑی گاڑی میں روانہ ہوئے... اس کی رفتار حیرت انگیز حد تک تیز تھی... جلدی ہی وہ خفیہ فورس کی گاڑی کے پیچھے پہنچ گئے۔ نمبر ایک نے اس سے رابطہ کیا اور پوچھا:

"کیا رپورٹ ہے۔"

"وہ آندھی اور طوفان کی طرح اڑا جا رہا ہے اور اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ کوئی اس کا تعاقب نہیں کر رہا ہے۔"

"بہت خوب! اسے اسی طرح چلنے دو... ہم دیکھنا چاہتے ہیں... اس کی منزل کون سی ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

خفیہ تعاقب جاری رہا، آخر نمبر ایک نے کہا۔

"سر! اس نے تو دارالحکومت والی سڑک پکڑ لی۔"

"چلو یہ اور اچھا ہے، اب ہمیں اسے دارالحکومت نہیں لے جانا پڑے

گا۔" انہوں نے کہا۔

تین گھنٹے کے سفر کے بعد وہ دارالحکومت میں داخل ہو گئے، اس وقت شام کے چھ بج رہے تھے اور سانارائے کو ابھی تک یہ علم نہیں ہو سکا تھا کہ اس کا تعاقب نہایت کامیابی سے ہوا ہے... پھر انہوں نے اسے ایک کوٹھی میں داخل ہوتے دیکھا۔

"لو بھئی... اب یہ اس کوٹھی سے فرار نہ ہونے پائے... اور ہاں نیم پلیٹ پر کیا نام لکھا ہوا ہے... معلوم کرو۔"

نمبر ایک نے ایک ماتحت کا اشارہ کیا، وہ احتیاط سے کوٹھی کی طرف گیا اور جلد ہی واپس آ گیا۔

"سر! اس کے دروازے پر صنوبر میاں کاظمی لکھا ہے۔"

"کوٹھی کی چاروں طرف سے پوری طرح نگرانی کرو، میں اندر جاتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"سر! میں آپ کے ساتھ اندر جاؤں گا۔"

"نہیں نمبر ایک... میں ایک انجان آدمی کی حیثیت سے ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں... اس لیے صرف میں جاؤں گا... تم باہر رہو گے اور میرے اشارے کا انتظار کرو گے۔"

"جی بہتر۔"

اور پھر انہوں نے جلدی جلدی میک اپ کیا... لباس تبدیل کیا، پھر گاڑی سے اتر کر پیدل اس کوٹھی کے دروازے پر پہنچ گئے۔ دوسرے ہی لمحے انہوں نے گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ ایک منٹ بعد ایک ملازم باہر نکلا۔ اس نے سر سے پاؤں تک انہیں دیکھا، پھر بولا۔

"جی فرمائیے۔"

"مجھے صنوبر میاں کاظمی سے ملنا ہے..."

"آپ کو ان سے کیا کام ہے، وہ دراصل بہت مصروف آدمی ہیں۔"

"میں نے سنا ہے، وہ ہیروں کے بہت شوقین ہیں، میرے پاس کچھ نایاب ہیرے ہیں، وہ اس قدر قیمتی ہیں کہ بازار میں کوئی ان کی قیمت نہیں دے سکا... لیکن کسی نے مجھے بتایا ہے کہ کاظمی صاحب یہ ہیرے بہت آسانی سے خرید سکتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے... آپ اس طرف آ کر بیٹھ جائیں... میں ان سے معلوم کرتا ہوں، اگر انہوں نے ملنا پسند کیا تو آپ کو ان تک پہنچا دوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ! اگر میں ہیرے ان کے ہاتھ فروخت کرنے میں کامیاب ہو گیا تو ایک چھوٹا سا ہیرا آپ کو بطور تحفہ دوں گا۔"

"کیا واقعی۔" اس کے لہجے میں حیرت اور بے یقینی تھی۔

"ہاں! کیوں نہیں... آپ بس ملاقات کرا دیں۔"

"میں کوشش کرتا ہوں... ویسے یہ بات میں آج پہلی بار سن رہا ہوں۔"

"کون سی بات؟" انہوں نے پوچھا:

"یہ کہ صاحب ہیروں کے شوقین ہیں۔"

"ہو سکتا ہے، یہ بات کم لوگوں کو معلوم ہو... اگر یہ شوقین ہیں تو پھر ہیروں کے تاجر ضرور جانتے ہوں گے اور میں ہیروں کے تاجر سے ہی مل کر آ رہا ہوں۔"

"اچھی بات! آپ انتظار کریں، لیکن اپنا وعدہ بھول نہ جائیے گا۔"

"آپ فکر نہ کریں۔" وہ مسکرا دیے۔

ملازم اندر چلا گیا، واپس لوٹا تو اس کی آنکھوں میں حیرت تھی... آتے ہی اس نے پرجوش انداز میں کہا۔

"آپ کی اطلاع بالکل درست ہے، صاحب واقعی ہیروں کے شوقین ہیں... وہ آپ کو اندر بلا رہے ہیں۔"

"کیا وہ اکیلے ہیں۔"

"ابھی ابھی ان کے ایک دوست آئے ہیں... لیکن آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

وہ اس کے ساتھ اندر پہنچے۔ کوٹھی محل نما تھی۔ انہیں کئی برآمدے عبور کرنے پڑے، تب کہیں جا کر ملازم ایک کمرے کے دروازے پر رکا، اس نے دستک دی اور بولا۔

"یہ آ گئے ہیں صاحب۔"

"آ جائیے اندر۔" اندر سے کھردری سی آواز سنائی دی۔

وہ اندر داخل ہو گئے... کمرے میں صرف ایک آدمی تھا...

اسی وقت بغلی دروازہ کھلا اور سانارائے بھی اندر آ گیا۔

"یہ تو واقعی ہیروں کے تاجر ہیں، میں ڈر گیا تھا، اس نے آتے ہی کہا۔

"جی... کیا مطلب... ڈر گئے تھے..." انسپکٹر جمشید بدلی ہوئی آواز میں بولے۔

"یہ ہماری آپس کی بات ہے... میں ہوں صنوبر میاں کاظمی اور یہ میرے دوست ہیں... آپ تشریف رکھیں اور ذرا وہ ہیرے دکھائیے... آخر وہ کیسے ہیرے ہیں، جن کی قیمت اس شہر کے ہیروں کے تاجر نہیں دے سکے۔"

"جی بس... ہیروں کی قدر تو ہیروں کی پہچان رکھنے والے ہی جانتے ہیں..." انہوں نے ٹھیک کاروباری لہجے میں کہا۔

پھر اپنی ایک خفیہ جیب سے چند ہیرے نکال کر ان کے سامنے رکھ دیے۔ وہ یک دم ان پر جھک پڑے اور پھر ان کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگے۔

"ان کو پرکھنا ہو گا۔"

"کوئی حرج نہیں... ظاہر ہے، ہیرے اس طرح تو نہیں خریدے جا سکتے۔"

"میں اپنے ایک دوست کو بلاتا ہوں... آپ کو کچھ دیر تک انتظار کرنا ہو گا۔"

"کوئی بات نہیں جناب۔"

"آپ ساتھ والے کمرے میں تشریف رکھیے۔"

"جی اچھا۔" انہوں نے کہا اور ہیرے اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"یہ یہیں رہنے دیں۔"

"نہیں جناب!" وہ مسکرائے۔

"نہیں جناب کیا... میں سمجھا نہیں۔"

"ہیرے میں اپنے پاس رکھوں گا..."

"اس طرح ہم ان کی پڑتال کس طرح کر سکیں گے۔"

"ظاہر ہے، آپ کے دوست یہاں آئیں گے... اس وقت میں ہیرے ان کے سامنے رکھ دوں گا۔"

"گویا آپ کو خطرہ ہے، کہیں ہم آپ کے ہیرے ہڑپ نہ کر جائیں۔"

"ہیروں کے معاملے میں میں کسی پر اعتبار نہیں کرتا جناب۔"

"اور اگر ہم یہ ہیرے زبردستی اپنے پاس رکھ لیں اور آپ کو گھر سے نکال دیں۔"

"کک... کیا آپ... ایسا کر سکتے ہیں۔"

"ہاں! کیوں نہیں۔"

"تب میں قانون کا سہارا لوں گا... آپ کے خلاف رپورٹ درج کراؤں گا۔"

"شکریہ! آپ اپنے ہیرے اپنے پاس شوق سے رکھیں... میں دوست کو فون کر رہا ہوں۔ وہ دس پندرہ منٹ تک آجائیں گے۔"

یہ کہ کر انہوں نے ہیرے اٹھا لیے اور پھر دوسرے کمرے میں آگئے... پندرہ منٹ کے بعد دروازے پر دستک دی گئی... اور کہا گیا۔

"آجایئے جناب! میرے دوست آگئے ہیں۔"

جونہی وہ دروازہ کھول کر کاظمی والے کمرے میں آئے، حیرت زدہ رہ گئے۔ کمرے میں ایک پولیس آفیسر اور اس کے چند ماتحت موجود تھے۔

---☆☆☆---

ملاقات

"یہی ہے وہ شخص انسپکٹر صاحب!" کاظمی نے فوراً کہا۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید نے چونکنے کی اداکاری کی، ورنہ دل میں تو وہ مسکرا رہے تھے۔

"وہ نقلی ہیرے کہاں ہیں جعل ساز کہیں کے۔" انسپکٹر نے تیز لہجے میں کہا۔

"جی... کیا فرمایا آپ نے... نقلی ہیرے! یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی جناب! میرے پاس تو سو فیصد اصلی ہیرے ہیں۔"

"یہ میرے ساتھ جو سادہ لباس والے ہیں، انہیں دیکھ رہے ہیں۔" انسپکٹر نے اپنے بائیں طرف کھڑے شخص کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں! دیکھ رہا ہوں... کیا ان کی طرف دیکھنا منع ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ادھر ادھر کی نہ ہانکیں، یہ ہیروں کو پرکھنے کے ماہر ہیں، وہ ہیرے نکالیں، پہلے یہ چیک کریں گے، اگر انہوں نے ہیرے اصلی بتائے تو کاظمی صاحب خرید لیں گے ورنہ ہم آپ کو جعل سازی کے کیس میں جیل کی سیر کرائیں گے، وہاں

آپ کو نقلی ہیروں کے ساتھ اصلی آٹے دال کا بھاؤ بھی معلوم ہو جائے گا۔"

"آپ کا نام جناب؟" انسپکٹر جمشید پیار بھرے لہجے میں بولے۔

"کیوں! کیا میرا نام چاٹنا ہے۔"

"ان سے سودا بن گیا تو ایک چھوٹا سا ہیرا آپ کو بھی دے دوں گا... ملازم سے بھی یہ وعدہ کر چکا ہوں۔"

"بھئی چھوٹا سا کیوں، بڑا سا کیوں نہیں... بلکہ سارے ہیرے کیوں نہیں۔" انسپکٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"سمجھ جائیں گے... ہیرے نکالیں۔"

انہوں نے ہیرے نکال کر سادہ لباس والے کی طرف بڑھا دیے... اس نے انہیں ہاتھ میں لے کر غور سے دیکھا۔ پھر کرسی پر جا بیٹھا، اس کے آگے میز بچھی ہوئی تھی، اب اس نے جیب سے عدسہ نکالا اور ایک ایک ہیرے کو اٹھا کر چیک کرنے لگا... انہوں نے اس کی آنکھوں میں حیرت ہی حیرت دیکھی، لیکن پھر جلد ہی حیرت غائب ہو گئی اور اس کے چہرے پر بے زاری چھا گئی، برا سا منہ بنا کر بولا۔

"یہ تو سو فیصد نقلی ہیں۔"

"ایسی بات تو نہ کہیں... کم از کم ان میں سے ایک دو کو ہی اصلی بتا دیں۔"

"کیا مطلب... کیا آپ خود مان رہے ہیں کہ ان میں سے صرف ایک دو اصلی ہیں۔" انسپکٹر نے چونک کر کہا۔

"ہاں! یہ سب کے سب نقلی ہیں، اب چھپا کر کیا کروں گا... آپ لوگ

بہت چالاک نکلے... میرا خیال تھا... آپ جھانسے میں آ جائیں گے اور میں اچھے بھلے پیسے بنا لوں گا... لیکن افسوس۔"

"آپ نے سنا انسپکٹر صاحب... گرفتار کر لیں انہیں..."

انسپکٹر جمشید نے آگے بڑھ کر ہیرے اٹھا لیے اور لگے ان کو گننے... پھر انسپکٹر سے بولے۔

"مہربانی فرما کر اپنی جیب میں سے ایک عدد ہیرا نکال کر مجھے دے دیں۔"

"کک... کیا مطلب؟"

"آپ نے ہم سب کی نظر بچا کر ایک عدد ہیرا جیب میں رکھ لیا ہے۔"

"لیکن وہ تو ہے ہی نقلی... کیا کرو گے لے کر اور پھر تم تو اب جیل جاؤ گے۔"

"میرے ساتھ آپ کو بھی جانا چاہیے اور ان دونوں کو بھی۔" انہوں نے سانارائے اور صنوبر میاں کاظمی کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا بکواس ہے... بھلا ہم کیوں جائیں جیل، جیل جائیں ہمارے دشمن۔" صنوبر بولا۔

"چلیے! آپ نہیں جاتے... نہ جائیں... میری انسپکٹر صاحب سے درخواست ہے، یہ تو میرے ساتھ چلیں نا... آخر انہوں نے ہیرا چرایا ہے... نقلی چرایا یا اصلی، چرایا تو ہے نا... اور ظاہر ہے، اصلی خیال کر کے چرایا ہوگا۔"

"حد ہو گئی... تم تو ایک دم بے وقوف آدمی لگتے ہو... بے پر کی باتیں کیے جا رہے ہو... چلو ہاتھ آگے بڑھاؤ اور ہتھکڑیاں پہن لو۔"

"انسپکٹر صاحب... ہتھکڑی تو اب آپ کو لگے گی... نمبر ایک... ذرا بلا لو

اپنے ساتھیوں کو۔"

نمبرایک نے جیب میں رکھے آلے پر فوراً اشارہ دیا۔

"کیا کہا... نمبرایک... اور یہ کسے بلا لیں۔"

"جی ہاں! یہ نمبرایک ہے... باقی نمبر باہر ہیں اور وہ دس تک ہیں... ابھی آجاتے ہیں... یہ انہیں بلا رہے ہیں... اور وہ تو آ رہے ہیں... کیا سمجھے۔"

"خاک نہیں سمجھے... پتا نہیں تم کیا ڈراما کر رہے ہو۔"

"یہ درست بات کہی ہے تم نے... کر تو میں رہا ہوں ڈرامہ ہی... لیکن میرا خیال تھا... اس طرح جو پولیس آفیسر آئیں گے... ہم ان کے ذریعے انہیں گرفتار کریں گے... لیکن آنے والے خود چوری کر بیٹھے... لہٰذا اب ان کا کام بھی ہمیں خود کرنا ہوگا..."

"پتا نہیں... تم کیا کہہ رہے ہو... کون ہو تم۔" انسپکٹر کے لہجے سے اب پریشانی صاف جھلک رہی تھی۔

"اصل بات یہ ہے کہ مجھے لوگ انسپکٹر جمشید کہتے ہیں۔"

"کیا..." وہ سب کے سب چیخ پڑے... سب سے بلند آواز سانا رائے کی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خوف ہی خوف دوڑ گیا... دوسری طرف صنوبر میاں کاظمی بھی کم خوف زدہ نہیں تھا۔

چند لمحے سکتے کے عالم میں گزر گئے، پھر انسپکٹر جمشید نے سانا رائے کی طرف رخ کرتے ہوئے کہا۔

"مسٹر سانا رائے! تم نے سمجھا تھا... ہوٹل سے فرار ہو کر مجھ سے بچ جاؤ گے... اور خود کو تم یہاں محفوظ خیال کر رہے تھے... لیکن دیکھ لو... ہم ایک بار پھر تمہارے سر پر موجود ہیں... اور مسٹر صنوبر کاظمی صاحب... آپ کو بھی وضاحت کرنا

ہوگی... آپ کا ان سے کیا تعلق ہے... اور آپ نے میرے ہیرے ٹھگنے کا پروگرام کیوں بنایا تھا... کیا آپ بھی ایسے کام کرتے رہتے ہیں... میرا مطلب ہے... آپ بھی جرم کی دنیا کے آدمی ہیں۔"

"ج... جی نہیں... میں واقعی یہ سمجھا تھا کہ آپ جعلی ہیرے لے کر آئے ہیں اور مجھے دھوکا دینا چاہتے ہیں، اسی لیے میں نے انسپکٹر شامی سے درخواست کی تھی کہ وہ ہیروں کو پرکھنے والے کسی ماہر کو ساتھ لائیں... لیکن مجھے معلوم نہیں تھا... انسپکٹر شامی کا اپنا ذہن مجرمانہ ہے... مجھے افسوس ہے... باقی رہی بات سانا رائے سے تعلق کی... مجھے ابھی آپ سے معلوم ہوا کہ یہ صاحب جرائم پیشہ ہیں... ورنہ یہ میرے بچپن کے دوست ہیں، سکول کے زمانے کے اور بس... میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"خیر... خیر... ہم آپ کو چھوڑ رہے ہیں... نمبرایک... اپنے ساتھیوں سے کہو... ان سب کو گرفتار کر لیں... میرا مطلب ہے... انسپکٹر صاحب سمیت۔"

"میں انسپکٹر جمشید صاحب کو پہچانتا ہوں... آپ انسپکٹر جمشید نہیں ہیں۔" انسپکٹر نے بھنائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اچھا کیا بتا دیا..."

یہ کہتے ہی انہوں نے اپنا میک اپ ختم کر دیا... اب تو انسپکٹر شامی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے مری مری آواز میں کہا۔

"اف... یہ تو سچ مچ انسپکٹر جمشید ہیں۔"

ان سب کو گرفتار کر لیا گیا... صنوبر میاں کاظمی کو چھوڑ دیا گیا... تاہم چلتے چلتے انسپکٹر جمشید نے اس سے کہا۔

"خیال رہے کاظمی صاحب... اگر آپ کا سانا رائے سے کوئی مجرمانہ تعلق

بہت چالاک نکلے ... میرا خیال تھا... آپ جھانسے میں آجائیں گے اور میں اچھے بھلے پیسے بنالوں گا... لیکن افسوس۔"

"آپ نے سنا انسپکٹر صاحب... گرفتار کرلیں انہیں..."

انسپکٹر جمشید نے آگے بڑھ کر ہیرے اٹھا لیے اور لگے ان کو گننے... پھر انسپکٹر سے بولے۔

"مہربانی فرما کر اپنی جیب میں سے ایک عدد ہیرا نکال کر مجھے دے دیں۔"

"کک... کیا مطلب؟"

"آپ نے ہم سب کی نظر بچا کر ایک عدد ہیرا جیب میں رکھ لیا ہے۔"

"لیکن وہ تو ہے ہی نقلی... کیا کرو گے لے کر اور پھر تم تو اب جیل جاؤ گے۔"

"میرے ساتھ آپ کو بھی جانا چاہیے اور ان دونوں کو بھی۔" انہوں نے سانا رائے اور صنوبر میاں کاظمی کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا بکواس ہے... بھلا ہم کیوں جائیں جیل، جیل جائیں ہمارے دشمن۔" صنوبر بولا۔

"چلیے! آپ نہیں جاتے... نہ جائیں... میری انسپکٹر صاحب سے درخواست ہے، یہ تو میرے ساتھ چلیں نا... آخر انہوں نے ہیرا چرایا ہے... نقلی چرایا یا اصلی، چرایا تو ہے نا... اور ظاہر ہے، اصلی خیال کر کے چرایا ہوگا۔"

"حد ہوگئی... تم تو ایک دم بے وقوف آدمی لگتے ہو... بے پر کی باتیں کیے جا رہے ہو... چلو ہاتھ آگے بڑھاؤ اور ہتھکڑیاں پہن لو۔"

"انسپکٹر صاحب... ہتھکڑی تو اب آپ کو لگے گی... نمبر ایک... ذرا بلا لو

اپنے ساتھیوں کو۔"

نمبر ایک نے جیب میں رکھے آلے پر فوراً اشارہ دیا۔

"کیا کہا... نمبر ایک... اور یہ کسے بلا لیں۔"

"جی ہاں! یہ نمبر ایک ہے... باقی نمبر باہر ہیں اور وہ دس تک ہیں... ابھی آجاتے ہیں... یہ انہیں بلا رہے ہیں... اور وہ تو آرہے ہیں... کیا سمجھے۔"

"خاک نہیں سمجھے... پتا نہیں تم کیا ڈراما کر رہے ہو۔"

"یہ درست بات کہی ہے تم نے... کرتو میں رہا ہوں ڈرامہ ہی... لیکن میرا خیال تھا... اس طرح جو پولیس آفیسر آئیں گے... ہم ان کے ذریعے انہیں گرفتار کریں گے... لیکن آنے والے خود چوری کر بیٹھے... لہٰذا اب ان کا کام بھی ہمیں خود کرنا ہوگا..."

"پتا نہیں... تم کیا کہ رہے ہو... کون ہو تم۔" انسپکٹر کے لہجے سے اب پریشانی صاف جھلک رہی تھی۔

"اصل بات یہ ہے کہ مجھے لوگ انسپکٹر جمشید کہتے ہیں۔"

"کیا..." وہ سب کے سب چیخ پڑے... سب سے بلند آواز سانا رائے کی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خوف ہی خوف دوڑ گیا... دوسری طرف صنوبر میاں کاظمی بھی کم خوف زدہ نہیں تھا۔

چند لمحے سکتے کے عالم میں گزر گئے، پھر انسپکٹر جمشید نے سانا رائے کی طرف رخ کرتے ہوئے کہا۔

"مسٹر سانا رائے! تم نے سمجھا تھا... ہوٹل سے فرار ہو کر مجھ سے بچ جاؤ گے... اور خود کو تم یہاں محفوظ خیال کر رہے تھے... لیکن دیکھ لو... ہم ایک بار پھر تمہارے سر پر موجود ہیں... اور مسٹر صنوبر کاظمی صاحب... آپ کو بھی وضاحت کرنا

ہوگی... آپ کا ان سے کیا تعلق ہے... اور آپ نے میرے ہیرے ٹھگنے کا پروگرام کیوں بنایا تھا... کیا آپ بھی ایسے کام کرتے رہتے ہیں... میرا مطلب ہے... آپ بھی جرم کی دنیا کے آدمی ہیں۔"

"جج... جی نہیں... میں واقعی یہ سمجھا تھا کہ آپ جعلی ہیرے لے کر آئے ہیں اور مجھے دھوکا دینا چاہتے ہیں، اسی لیے میں نے انسپکٹر شامی سے درخواست کی تھی کہ وہ ہیروں کو پرکھنے والے کسی ماہر کو ساتھ لائیں... لیکن مجھے معلوم نہیں تھا... انسپکٹر شامی کا اپنا ذہن مجرمانہ ہے... مجھے افسوس ہے... باقی رہی بات سانارائے سے تعلق کی... مجھے ابھی آپ سے معلوم ہوا کہ یہ صاحب جرائم پیشہ ہیں... ورنہ یہ میرے بچپن کے دوست ہیں، سکول کے زمانے کے اور بس... میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"خیر... خیر... ہم آپ کو چھوڑ رہے ہیں... نمبر ایک... اپنے ساتھیوں سے کہو... ان سب کو گرفتار کرلیں... میرا مطلب ہے... انسپکٹر صاحب سمیت۔"

"میں انسپکٹر جمشید صاحب کو پہچانتا ہوں... آپ انسپکٹر جمشید نہیں ہیں۔" انسپکٹر نے بھنائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اچھا کیا بتا دیا..."

یہ کہتے ہی انہوں نے اپنا میک اپ ختم کردیا... اب تو انسپکٹر شامی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے مری مری آواز میں کہا۔

"اف... یہ تو سچ مچ انسپکٹر جمشید ہیں۔"

ان سب کو گرفتار کرلیا گیا... صنوبر میاں کاظمی کو چھوڑ دیا گیا... تاہم چلتے چلتے انسپکٹر جمشید نے اس سے کہا۔

"خیال رہے کاظمی صاحب... اگر آپ کا سانارائے سے کوئی مجرمانہ تعلق

ہوا تو ہم آپ کو بھی گرفتار کرنے کے لیے آئیں گا۔"

"ضرور... ضرور... کیوں نہیں۔"

آخر وہ باہر نکل آئے... انسپکٹر جمشید نے نمبر ایک کو چند ہدایات دیں اور دفتر کی طرف روانہ ہوئے... اس وقت انہوں نے آئی جی صاحب کو فون کیا... انہیں گرفتاریوں کی اطلاع دی... پھر بولے۔

"محمود، فاروق اور فرزانہ کی کیا خبریں ہیں۔"

"وہ سب زخمی ہیں اور ہسپتال میں ہیں... بال بال بچے ہیں۔"

"جی... کیا مطلب؟"

تفصیل سن کر انہوں نے وہیں سے ہسپتال کا رخ کیا... گاڑی میں سانارائے ہتھکڑیاں پہنے موجود تھا اور نمبر ایک اس کے سر پر موجود تھا... تا کہ اس کی طرف سے کوئی غلط حرکت نہ ہو جائے... وہ ہسپتال کے دروازے پر پہنچے ہی تھے کہ اندر سے سب لوگ آتے نظر آئے... ادھر ان لوگوں نے انہیں دیکھ لیا... پھر اندر بیٹھے سانارائے پر ان کی نظریں پڑیں...

"السلام علیکم... اچھا ہوا آپ سے ملاقات ہوگئی... یہ کون صاحب ہیں۔" محمود نے شوخ آواز میں کہا۔

"یہ چھپے رستم ہیں۔"

"چھپے رستم صاحب! آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔"

سانارائے منہ بنا کر رہ گیا۔

"لیکن سر... ایک بات سمجھ میں نہیں آئی اور میں شدید الجھن محسوس کر رہا ہوں۔" نمبر ایک بولا۔

"اور وہ کیا؟"

"آپ تو شوما پانڈے کو گرفتار کرنے کے لیے گئے تھے... وہ تو اب تک ہاتھ نہیں لگا... جب کہ آپ نے کہا تھا... ہم شوما پانڈے کو ساتھ لے کر ہی دارالحکومت جائیں گے۔"

"میں نے غلط نہیں کہا تھا... ہم شوما پانڈے کو ساتھ لے کر ہی شہر میں داخل ہوئے ہیں۔"

"جی... کیا مطلب؟"

نمبر ایک بری طرح اچھلا، پھر اس کی آنکھیں مارے حیرت سے پھیل گئیں۔

---☆☆☆---

بکرے کی ماں

"ہاں! یہی شوما پانڈے ہے، ہوٹل بونڈ کا مالک... گھاگ مجرم، جیل سے بھاگا ہوا۔ اس کے باس نے میرے ہاتھوں سے اسے بچانے کی بہت کوشش کی لیکن بچا نہ سکا... اس نے بھی بچنے کی کوشش کی لیکن بچ نہ سکا... بکر کی ماں آخر کب تک آخر منائے گی۔"

"آپ نے کیا فرمایا..." محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس کے باس نے اسے بچانے کی بہت کوشش کی... اور وہ کوشش اس نے اس لیے کی کہ یہ اس کے لیے بہت کام کا آدمی ہے۔"

"لیکن ہماری طرف کا کیس کہاں گیا۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"تم ذرا مجھے اس کی تفصیل سناؤ۔"

انہوں نے پوری تفصیل سنا دی... کچھ دیر تک وہ سوچ میں ڈوبے رہے، پھر انہوں نے رانا گوما کے نمبر ڈائل کیے، اس کی آواز سنتے ہی انہوں نے کہا۔

"انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں..."

"میں آپ سے کوئی بات نہیں کر سکتا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی فون بند کر دیا گیا۔ انہیں حیرت ہوئی، اب انہوں نے فیروز تنویر کو فون کیا، اس نے بھی یہی جواب دے کر فون بند کر دیا، الیاس قاسمی نے بھی یہی کہا۔ ایک بار پھر وہ سوچ میں ڈوب گئے ... آخر انہوں نے ایک اور شخص کو فون کیا... سلسلہ ملنے پر وہ بولے۔

''مجھے آپ سے کچھ کام ہے ... جی ... انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں ... اگر آپ میرے دفتر آ جائیں تو میں آپ کا شکر گزار ہوں ...''

''اچھی بات ہے... '' اس نے کہا۔

اب وہ اس کا انتظار کرنے لگے، جلد ہی وہ وہاں پہنچ گیا۔

اسے دیکھ کر شوما پانڈے زور سے چونکا... پھر اس نے انسپکٹر جمشید سے کہا۔

''یہ کیا... آپ نے انہیں کیوں بلایا ہے۔''

''تمہیں کیا اعتراض ہے بھلا... مجھے آخر یہ کیس حل کرنا ہے۔''

''لیکن ان کی کیا ضرورت ہے۔''

''بس ہے ضرورت ... اور اب مہربانی فرما کر تم کچھ نہیں بولو گے... یہ تمہارا ہوٹل نہیں ہے... میرا دفتر ہے۔'' انہوں نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

اب انہوں نے کاغذ پر چند جملے لکھے ... اور وہ کاغذ خان رحمان کو دے دیا۔

''خان رحمان ... اندرونی کمرے میں چلے جاؤ اور اس کاغذ پر لکھی ہدایات پر عمل کرو۔''

''بہت اچھا۔'' وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر نکل گئے... چند منٹ بعد واپس آئے تو ان کے چہرے پر حیرت ہی حیرت تھی۔

''کیوں! کام کر آئے۔''

''ہاں جمشید... کمال ہے... تم آخر چیز کیا ہو۔''

''انسان... یار خان رحمان... تم اتنا بھی نہیں جانتے۔'' وہ مسکرائے۔

''انسان ضرور ہو... لیکن عجیب قسم کے۔''

''آخر یہ سب کیا ہے... آپ نے مجھے کس لیے بلایا ہے۔'' نئے آنے والے نے کہا۔

''آپ کو چند منٹ تک انتظار کرنا پڑے گا... مجھے افسوس ہے۔''

''لیکن... سوال یہ ہے کہ آپ نے مجھے بلایا کیوں ہے۔''

''ایک اہم معاملہ ہے... بس۔'' وہ بولے۔

وہ برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔ پھر قدموں کی آواز گونج اٹھی اور رانا گوما اندر داخل ہوا۔ اسے اندر آتے دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

''یہ کیا... یہ تو کسی صورت ملنے کے لیے تیار نہیں تھے... اور اب خود چلے آئے ہیں۔''

''خود نہیں چلے آئے، میں نے فون کیا تھا انہیں۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''آپ کا فون سن کر بھی تو انہوں نے یہی کہا تھا... میں آپ سے بات نہیں کر سکتا۔''

''ہاں! لیکن میں نے انہیں پھر فون کیا تھا... اور وہ فون سن کر یہ دوڑے آئے ہیں۔''

''آپ نے پھر فون کیا تھا... لیکن کب؟''

''ابھی خان رحمان کے ذریعے... میں نے انہیں جو چٹ دی تھی، اس پر یہی تو لکھا تھا... خان رحمان ان تینوں کو پھر فون کرو... ان سے کہو انسپکٹر جمشید انہیں یہاں بلا رہے ہیں۔''

''بھلا اتنی سی بات سن کر یہ کیوں چلے آئے۔''

''اس کے ساتھ ایک اور جملہ خان رحمان نے کہا تھا۔''

''چلیے، وہ بھی بتا دیں۔''

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی اور فیروز تنویر آتے نظر آئے...

''اللہ اپنا رحم فرمائے ... آخر بیٹھے بیٹھے یہ کایا پلٹ کیسے ہوگئی۔'' پروفیسر داؤد بولے۔

''یہ سب قدرت کے کھیل ہیں۔''

پھر الیاس قاسمی بھی آگئے۔

''لیجیے... سب جمع ہوگئے... اب تو بتا دیجیے... یہ سب کیا چکر ہے۔'' فاروق بولا۔

''ہاں ضرور... کیوں نہیں... ہمارے اس شہر میں ایک خوف ناک مجرم بہت دنوں سے خوفناک وارداتیں کر رہا تھا... اچانک اس کا پتا ان تینوں کو ہوگیا۔'' انہوں نے رانا گوما، فیروز تنویر اور الیاس قاسمی کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا مطلب...؟''

''یہ اب خود بتائیں گے کہ انہیں کس طرح علم ہوگیا... ہم نے تو اب تک صرف اندازہ لگایا ہے...''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں... اسی لیے تو ہم آپ لوگوں سے مل نہیں رہے تھے۔'' رانا گوما بولے۔

''کس لیے نہیں مل رہے تھے... ہمارے پلے تو اب تک کچھ نہیں پڑا۔''

''رانا گوما... آپ کو کیسے پتا چلا۔''

''صنوبر میاں کاظمی ہم تینوں کے دوست ہیں... چند دن انہوں نے ہم تینوں کی اپنے گھر دعوت کی، دعوت کا وقت طے تھا، لیکن ہم کافی دیر پہلے ہی چل دیے، ہم نے سوچا تھا ذرا کاظمی سے گپ شپ لگائیں گے... ملازم ہمیں جانتا ہے، اس نے ہمیں اندر جانے دیا... ہم سیدھے اس کے کمرے میں چلے آئے... یہ کمرے میں نہیں تھا... ایسے میں میں اس کی میز کی طرف چلا گیا، میں یہ دیکھ کر دھک سے رہ گیا کہ میز کے نیچے ایک خلا تھا اور سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں... حیرت کی زیادتی نے ہمیں سیڑھیاں اترنے پر مجبور کر دیا... اس وقت ہم نے دیکھا... یہ اپنے موبائل پر کسی کو ہدایات دے رہا تھا... کہہ رہا تھا... ٹھیک ہے... تمہیں ٹھیک نو بجے راضی بلڈنگ میں بم نصب کرنا ہے... بم دوپہر سے پہلے گیارہ بجے پھٹنا چاہیے... اس وقت وہاں بہت رش ہوتا ہے، اس طرح زیادہ سے زیادہ آدمی مریں گے۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی ہم چیخ پڑے اور ساتھ ہی ہم نے دوڑ لگا دی... ہماری موجودگی نے چند لمحوں کے لیے اس پر سکتہ طاری کر دیا... جب تک یہ اس تہ خانے سے باہر نکلتا... ہم کوٹھی سے باہر آ چکے تھے... اب اس نے ہمارا تعاقب کیا... لیکن اس سے پہلے اپنے ایک گھر یعنی رانا گوما کی کوٹھی تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے... اسی وقت فون کی گھنٹی بجی، رانا گوما نے چونک کر فون اٹھا لیا، دوسری طرف صنوبر کہہ رہا تھا، زبان بند نہ رکھی تو تمہاری کوٹھی دھماکے سے اڑے گی... تمہارے بیوی بچے بھی ساتھ مریں گے... اور تمہارے دونوں دوستوں کے ساتھ بھی یہی ہوگا... تم تینوں اگر مجھے گرفتار کرا بھی دو تو کوئی فرق نہیں پڑے گا... میرے کارندے تم تینوں کے گھروں کو بموں سے اڑا دیں گے... خبردار تم انسپکٹر جمشید یا اس کے بچوں سے ہرگز رابطہ نہیں کرو گے... اگر تم نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو بھی تم تینوں کے گھر بھک سے اڑ جائیں گے، تم لوگوں کا امتحان لینے کے لیے میں خود

انسپکٹر جمشید کو تمہاری طرف سے فون کر رہا ہوں... وہ تم سے ملنے کے لیے آئیں گے... جس نے بھی ان سے ملنے کی کوشش کی تو اس کا گھر ملبے کا ڈھیر بن جائے گا... یہ تھیں دھمکیاں جن کی بنیاد پر ہم آپ لوگوں سے نہیں ملے... پھر اس کی ہدایات پر ہم نے وکیل وغیرہ تک کے انتظامات کیے۔''

''اوہ... اوہ۔'' ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

''پھر جونہی ہمیں انسپکٹر جمشید صاحب آپ کی طرف سے پیغام ملا کہ آپ جان چکے ہیں کہ اصل مجرم صنوبر کاظمی ہے... اور اسے دفتر بلا لیا گیا ہے... لہٰذا اب آپ بلا کھٹکے آسکتے ہیں تو ہم آ گئے... اب یہ ان کی ذمے داری ہے، ہمیں اس ہولناک آدمی کے کارندوں سے بچائیں۔''

''آپ لوگ فکر نہ کریں... جب ان کے بڑے پکڑے گئے ہیں تو کارندے کس طرح بچیں گے... انہیں تو ہم چن چن کر پکڑیں گے... یوں بھی انہیں اب اپنی پڑ جائے گی، باس جو پکڑا گیا ہے، آپ لوگوں کی طرف وہ کیا توجہ دیں گے... آخر میں ایک بات رہی جاتی ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا اور خاموش ہو گئے۔

''اور وہ کیا؟'' وہ ایک ساتھ بولے۔

''یہ کہ یہ صاحب اتنا گھناؤنا کام کس کے لیے کرتے ہیں... ہمارے ملک میں بم دھماکے ملک دشمن ہی کر سکتے ہیں... مسٹر کاظمی... مہربانی فرما کر یہ بات بھی بتا دیں...''

''میں... میں۔'' وہ ہکلا کر رہ گیا۔

''یہ ایسے نہیں بتائے گا... اکرام اسے اندرونی کمرے میں لے جاؤ... اس کے کپڑے اتار دو... اس کے کپڑوں میں یا پھر کمر کے ساتھ کوئی چیز ضرور چھپی ہوئی ہوگی... اس سے ثابت ہو جائے گا، یہ کس کے لیے کام کرتا ہے... ایسے کام یہ

ظاہر ہے... اپنے لیے تو کرتا نہیں رہا... اس سے اسے کیا فائدہ... ظاہر ہے، دولت کمانے کے لیے کرتا ہے... اور بم دھماکے کرانے سے دولت نہیں ملتی... ہاں کوئی طاقت دھماکے کرا کے اسے معاوضے کے طور پر دولت دے گی۔''

''جی بہتر۔''

اکرام کے ماتحت اسے کھینچ کر لے گئے... انہیں پندرہ منٹ انتظار کرنا پڑا، پھر وہ اسے جکڑے ہوئے واپس لائے... اکرام نے آتے ہی کہا۔

''لیجیے سر، یہ راز بھی معلوم ہو گیا... اس کے کپڑوں میں خفیہ طور پر سلے ہوئے کاغذات مل گئے ہیں اور ان کی رو سے یہ شخص شارجستان کا ایجنٹ ہے... یعنی دشمن پڑوسی ملک کے لیے کام کرتا ہے... ظاہر ہے، ہمارے دشمن پڑوسی سے زیادہ یہ خواہش کسے ہوگی کہ ہمارے ملک میں امن چین کی فضا قائم نہ ہو... وہ تو چاہتا ہے... یہاں آئے دن فتنہ فساد بپا ہوتا رہے، تا کہ وہ دوسرے محاذوں پر کامیابی حاصل کرتا رہے۔'' اکرام کہتا چلا گیا۔

''تم نے ٹھیک کہا اکرام۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''لیکن دوسرے محاذ کون سے ہیں جمشید۔'' خان رحمان بولے۔

''ایک دو محاذ تو ہیں نہیں خان رحمان... ہمارے دشمن ملک کے پاس تو ان گنت محاذ ہیں... سرحدوں پر اس سے ہمیشہ کش مکش رہتی ہیں... پھر مجاہدین کی سرگرمیاں اس کے خلاف زور شور سے جاری ہیں، ان سرگرمیوں کو ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے ملک کی اندرونی فضا پر امن نہ رہے... اسی قسم کے اس کے اور کئی مقاصد ہیں، اللہ ایسے دشمن سے بچائے اور ہمیں اچھے پڑوسی عطا فرمائے۔''

''آمین۔'' ان سب کے منہ سے نکلا۔

''اور اس کے ساتھ ہی یہ کیس بھی اختتام کو پہنچا... ان کیسوں میں بس یہی

بات بری ہے کہ جب دیکھو اپنے اختتام کو پہنچ جاتے ہیں۔" فاروق نے برا سامنہ بناتے ہوئے کہا۔

"کیا کہ رہے ہو... دماغ تو نہیں چل گیا... کیا تم چاہتے ہو... جو کیس بھی شروع ہو، وہ ختم نہ ہو..." محمود نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

"نن نہیں... یہ تو خیر میں ہرگز نہیں چاہ سکتا۔"

"تب پھر یوں کہو... ان کیسوں میں یہی بات اچھی ہے... کہ جب دیکھو اپنے اختتام کو پہنچ جاتے ہیں۔" فرزانہ نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"اچھا! یوں کہ دیتا ہوں... میرا کیا جاتا ہے... کاٹ کھانے کو تو نہ دوڑو۔" فاروق نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

اور ان سب کے چہروں پر مسکراہٹیں دوڑ گئیں... لیکن مجرم کا چہرہ مسکراہٹ سے محروم تھا...

☆☆☆

D-83 سائٹ۔ کراچی
فون: 2578273 - 2581720
e-mail: atlantis@cyber.net.pk